فکر و تحقیق سے لبریز اپنے موضوع پر معلومات خیز کتاب ''امام علم و عمل'' کا پہلا باب

امام اہلسنت شخصیت اور علمی کمال

تحقیق و ترتیب

مولانا ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری

ایم۔اے،پی۔ایچ۔ڈی،میسور یونیورسٹی،میسور

فون نمبر:9867488711/9778566223

ناشر

شیرین بک ڈپو

SHIRIN BOOK DEPOT

Masjid-e-Aqsajn,Rly New Colony,

Visakhapatnam-530016-

Mob:-9490996786,9493943786,08912789786,08912765786

نام کتاب : امام اہل سنت، شخصیت اور علمی کمال

مولف : مولانا ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری

کمپوزنگ : رضوی کتاب گھر، نئی دہلی

کمپوزر : کامل احمد نعیمی

پروف ریڈنگ : مولانا محمد شہاب الدین نقی ثقافی

تعبیر خواب : ایس کے احسان اللہ صاحب کٹک

عکس تمنا : حافظ و قاری معین رضا نورانی، سیوان

تکمیل آرزو : محمد امیر خسرو، ڈائریکٹر رضا فاؤنڈیشن، دہلی

ناشر : شیرین بک ڈپو، وشاکھا پٹنم

شاہد و ناظر : رضا فاؤنڈیشن، ردولی، سیتامڑھی، بہار

مطبع : رضا آفسیٹ پریس دہلی

طباعت اول : ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء

صفحات : ۲۱۶

قیمت :

ملنے کا پتہ

(۱) دارالعلوم رضویہ حبیبیہ، جوبرا، کٹک، اڈیشہ

(۲) فیضی کتاب گھر، مہسول چوک، سیتامڑھی، بہار

(۳)

تجلیات نجم

امام اہل سنت
اور
تجلیات عمل

- ڈاکٹر نجم القادری کے قلم کا شاہکار، امام علم وعمل کا دوسرا باب۔
- امام احمد رضا کے فلک کردار وعمل کا درخشاں آفتاب۔
- علم اور عمل کے سنگم سے پھوٹنے والی کرنوں کا انمول انتخاب۔
- ادب وتحقیق کے گلشن کا گل شاداب۔
- حیات رضا کی روشنی میں حالات حاضرہ کا بھرپور جائزہ اور فکر نایاب۔
- شیرین بک ڈپو، وشاکھا پٹنم کی عظیم پیش کش، نئے سج دھج اور انوکھے آب وتاب کے ساتھ ان شاء اللہ بہت جلد منظر عام پر۔

محمد ظفیر الدین رضوی۔ وشاکھاپٹنم

رابطہ کانمبر:9490996786-9493943786

آئینہ مولف

نام: غلام مصطفےٰ نجم القادری

مقام: ردولی شریف، پوسٹ ہمایوں پور، ضلع سیتامڑھی، بہار۔84833

ولادت: ۱۱ر جون ۱۹۶۵ء

بسم اللہ خوانی اور ابتدائی تعلیم: نانا حافظ محمد ادریس صاحب اشرفی والد محترم محمد عابد حسین مرحوم اور حافظ محمد زین الدین اشرفی صاحب۔

اعدادیہ تا رابعہ: گہوارۂ اسلام جامعہ قادریہ مقصود پور، مظفر پور، بہار۔

خامسہ: مظہر علم وفن دار العلوم مظہر اسلام، مسجد بی، بی، جی محلہ بہاری پوری، بریلی شریف۔

سادستہ تا فضیلت: مرکز اہل سنت جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف

سندات: فاضل دینیات، ۱۹۷۹ء // // // // //

مولوی: بہار ایجوکیشن بور، پٹنہ، بہار۔

ایم اے: اردو، میسور یونیورسٹی، میسور، کرناٹک۔

پی۔ایچ۔ڈی: // // ۲۰۰۲ء بعنوان امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ

ممتاز اساتذ کرام:

- سند المحدثین حضرت علامہ مفتی محمد احسان علی صاحب قبلہ، سابق شیخ الحدیث، جامعہ رضویہ، منظر اسلام، بریلی شریف۔ محدث اعظم بہار
- تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی، جانشین حضور مفتی اعظم ہند، بریلی شریف۔
- شہید ملت صدر العلماء حضرت علامہ تحسین رضا خاں صاحب قبلہ، علیہ الرحمہ والرضوان، بریلی شریف

- سید المدرسین حضرت علامہ سید محمد عارف صاحب، نان پارہ
- استاذ العلماء شیر بہار حضرت علامہ مفتی محمد اسلم رضوی صاحب، بانی و مہتمم جامعہ قادریہ مقصود پور، مظفر پور بہار۔
- حضرت علامہ الحاج محمد نسیم الدین صاحب، جامعہ قادریہ مقصود پور، مظفر پور بہار۔
- حضرت مولانا امتیاز احمد نوری صاحب علیہ الرحمہ، جامعہ قادریہ مقصود پور بہار۔

منتخب تلامذہ:

- مفتی محمد مرتضیٰ رضوی، ناندیڑ، مہاراشٹرا
- مولانا ڈاکٹر امجد رضا امجد، پٹنہ، بہار
- مولانا محمد قمر الزماں رضوی، مظفر پور، بہار
- مولانا حافظ محمد فصیح اللہ، میسور، کرناٹک
- مولانا اعجاز احمد نوری، ردولی، سیتامڑھی، بہار
- مولانا انظار عالم خاں بلوا سیتامڑھی بہار
- مولانا محمد شرف عالم، دہلی
- مولانا حافظ غلام ربانی، الہ آباد

شرف بیعت: شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور مفتی اعظم ہند، حضرت علامہ الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب قادری، بریلی شریف

اجازت وخلافت: ● قطب چھتیس گڑھ، پیر طریقت حضرت الشاہ حکیم سبطین رضا خاں صاحب مدظلہ النورانی، رائے پور، سی۔ جی۔ ● شہزادۂ صدر الشریعہ، محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری صاحب، جامعہ امجدیہ، گھوسی، یوپی۔

مشاغل: تحریر وتحقیق، درس وتدریس، خطابت وتقریر، خصوصاً مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت ودعوت واشاعت۔

تصنیف وتالیف: ● صلاح دین ● صلح کلیت اسباب اور سدباب ● امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ (مقالہ تحقیق) ● پیارے نبی کی پیاری باتیں ● علم، عمل، عشق اور

امام احمد رضا ● اختلاف امت اور راہ نجات ● امام اہل سنت شخصیت اور علمی کمال ● عروس فکر (منظوم کلام) ● امام اہل سنت اور تجلیات عمل ● جمع البحرین (ذکر خواجہ ورضا) ● ارکان تصوف اور حضور مفتی اعظم ● باتیں جو حیات کے لیے آب حیات ہیں۔

اس کے علاوہ اسلامیات ودینیات پر ۱۰۰ سے زیادہ مضامین ومقالات۔

رفقا واحبا:

- عم زادہ، مولانا مصطفیٰ احمد اشرفی، لندن
- حضرت مولانا خورشید جمال صاحب رضوی، گوونڈی، ممبئی
- فدائے رضا الحاج سراج الدین خاں صاحب نوری، ممبئی
- مولانا الحاج انعام الحق صاحب قادری، خیرانی روڈ ممبئی
- مولانا جید القادری صاحب کلکتہ
- جناب صوفی قادر ولی صاحب، ادھونی، اے، پی
- جناب مولانا سید عتیق الرحمان صاحب، وزیر پور، دہلی
- جناب مولانا شکیل احمد رضوی صاحب، بنگلور
- جناب الحاج ثناء اللہ رضوی صاحب، کافی پلانٹر، بنگلور
- جناب الحاج نثار احمد رضوی صاحب، پونہ، مہاراشٹرا
- جناب مولانا نور الہدیٰ صاحب، فیضی کتاب گھر، سیتامڑھی، بہار

مناصب:

بانی: تنظیم تحفظ سنیت (ٹی، ٹی، ایس) ردولی، سیتامڑھی، بہار

مہتمم: جامعہ منانیہ اشرف البنات // // //

جنرل سکریٹری: رضا فاؤنڈیشن، ہیڈ آفس دہلی، برانچ ردولی، سیتامڑھی، بہار

ناظم اعلی: دار العلوم رضویہ حبیبیہ، جوبرا، کٹک، اڈیشا

رابطہ نمبر: 9867488711-9778566223

خراج احساس

کسی بھی ذرے کو آفتاب اور قطرے کو ماہتاب بننے میں کئی عناصر کا خلوص دل شامل ہوتا ہے، تب جا کر مٹی ہیرا، خزف سونا، سونا کندن، اور پنکھڑی گل خنداں کا روپ دھارتے ہیں، ماضی کی کچھ حساس یادیں آج شدت کے ساتھ دریچۂ ذہن سے جھانک رہی ہیں، ان میں سرفہرست میرے والد اور نانا کی یادیں ہیں، انھوں نے نہ صرف یہ کہ میری بنیادی تعلیم کے خمیر میں اپنی خوشبوئے اسلام کو شامل فرمایا، بلکہ دینی تعلیمی ڈگر پہ مجھے لگایا، اور مجھے ایک عالم دین بننے کا خواب دکھایا، ابھی میں نے دوسری جماعت ہی مکمل کیا تھا کہ والد خلد آشیاں ہو گئے، اب میری والدہ نے ہجوم افکار اور گردش روزگار کے ہچکولے کھاتے ہوئے بھی میری کشتئ علم کو سنبھال دیا اور ساحل سے ہم آغوش ہونے کی دعائیں دیں، بلائیں لیں، میرے چہرے پر گرد ملال نہ رہے اس کی تدبیریں کیں، افسوس وہ بھی سات سال پہلے راہی ملک بقا ہو گئیں، اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے۔ اور غریق رحمت رکھے، آمین

والدین نے علمی رہ گذر پر چلنا سکھایا، منزل کا پتہ بتایا، مگر جنھوں نے شاہراہ حیات کے پیچ وخم، وادی علم کے نشیب وفراز، اور شہر ارتقا کے گل وخار سے آشنائی بخشی، گلشن علم وآگہی سے گل چینی کا شعور وسلیقہ عطا یا ان میں دو نام بہت ہی نمایاں اور فروزاں ہیں، ایک ناز درس وتدریس حضرت مولانا محمد امتیاز احمد نوری علیہ الرحمہ جنھوں نے ابتدائی درسیات کے رموز ونکات، عربی گرامر کے مہمات ومبہمات کی عقدہ کشائی فرمائی، دوسرے استاذ العلماء، شیر بہار حضرت علامہ مفتی محمد اسلم رضوی صاحب علیہ الرحمہ، ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے ہماری رگ وپے میں امام احمد رضا کی سچی محبت رچائی بسائی، آج جو میری شب وروز کا مطمح نظر امام احمد رضا ہیں یہ صرف حضرت شیر بہار کے مکتب کی کرامت اور فیضان نظر کی برکت ہے۔

ابر رحمت ان کے مرقد پہ گہرباری کرے

آج بھی کٹھنائیوں کے ہجوم میں جب ان کا تصور کرتا ہوں تو کرب طرب سے بدل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کے روحانی فیوض وبرکات سے ہمیشہ ہمیں شاداب رکھے، آمین۔

اور میں شکر گذار ہوں اپنے اہل خانہ، بال بچوں کا جو میری مطالعاتی مصروفیت اور تحقیقاتی مشغولیت میں کبھی مخل نہیں ہوتے بلکہ میرا ساتھ دیتے، ہاتھ بٹاتے اور حتی الوسع راہ تصنیف وتحقیق میں میرے ہم سفر رہتے ہیں، اس طرح یہ سب میری اس خالص دینی کاوش کے فیضان میں برابر کے شریک ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو مزید در مزید دینی خدمات کی توفیق بخشے، بچوں کو علم نافع اور عمل صالح کی دولت سے نوازے اور سب کو صحت وعافیت کے ساتھ بلندئی جاہ وعزت کے شرف سے مشرف فرمائے۔

دعا گو، دعا جو

غلام مصطفیٰ نجم القادری

کلمات شیریں

یہ ایک حقیقت ہے کہ دینی کام اپنے اندر وہ جذبۂ کشش اور قوت انجذاب رکھتا ہے کہ جس حال و ماحول کو جب جب جیسی ضرورت پڑی ہے دین اسلام نے دامن اچھال اچھال کر سب کو مالا مال کیا ہے، مایوسی اور پریشاں خاطری کی تو یہاں گنجائش ہی نہیں ہے، چیلنج اور ایمر جنسی کی فضا میں بھی پردۂ غیب سے کسی مرد مومن کی رونمائی ہوتی ہے اور وہ سرفرازی کا سامان کر گذرتا ہے، یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے اسے آپ تک پہنچانے کے لیے جس مرد اخلاص کا جذبۂ وفا سنگ میل بنا ہے وہ ہیں حضرت مولانا محمد ظفیر الدین رضوی وشاکھا پٹنم، آپ میرے تلمیذ عزیز اور قطب چھتیس گڑھ، حضرت مولانا محمد سبطین رضا خان صاحب قبلہ دام ظلہ علینا کے مرید با مراد ہیں، اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت، خانوادۂ اعلیٰ حضرت، یہاں تک کہ منسوبات اعلیٰ حضرت سے بھی انھیں سچا عشق اور پکی عقیدت ہے، بعد فراغت وشاکھا پٹنم، کو انھوں نے اور وشاکھا پٹنم نے انھیں ایسا اپنالیا کہ اب تو دائمی استراحت کے لیے بھی اسی کو چن لیا ہے، قلب شہر میں آپ کا شیریں بک ڈپو کے نام سے شاندار کتب خانہ ہے، جس میں علم کے ساتھ ساتھ حکمت کے بھی مبادیات کی فراوانی ہے، صبح وشام شیدائیوں کا ہجوم ہوتا ہے اور آپ کے فیضان کا ماہ و نجوم، اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت، علم میں وسعت اور تجارت میں کثرت در کثرت منفعت عطا فرمائے۔ آمین

اس کتاب کی طباعت واشاعت کا پورا بار گراں آپ ہی نے اپنے دوش جواں پر اٹھانے کی مومنانہ ہمت ہے، مزید اس کے دوسرے حصے کے لیے بھی ابھی سے طلب وتقاضہ شروع کر دیا ہے، دعا کیجیے اللہ تعالیٰ رضا کی محبت ورضویات کی خدمت میں صحت وعافیت کی دولت گرانمایہ کے ساتھ ہم لوگوں کو لگائے رکھے کہ اپنے پاس کچھ بھی نہیں ہے رضا کی کرم نوازی کے سوا، رضا ہی کے الفاظ میں۔۔

پاس ہے کوئی نہ آس ایک تمہاری ہے آس

یہ ادنیٰ سی ہم لوگوں کی کوشش اگر کامیاب ہوگئی تو یقین ہوجائے گا دارین کی سعادت کی ضمانت مل گئی۔

اظہار نامہ

ارادہ یہی تھا کہ امام اہل سنت امام احمد رضا کے علم وعمل دونوں درخشاں پہلو کو ایک ساتھ دو باب (پہلا باب ذکر علم اور دوسرا باب تذکرہ عمل پر مشتمل) میں ''امام علم وعمل'' نام سے لیا جائے گا۔ تا کہ تجلی علم سے کاخ عمل پر جو چراغاں ہوا ہے اور تابش عمل سے علم کے رخ زیبا پر جو افشاں کی بارات سجی ہے یکبارگی دونوں جلوؤں کے حسین سنگم سے قارئین مستفیض ہوسکیں۔ مگر عزیز گرامی قدر مولانا محمد ظفر الدین رضوی مالک شیرین بک ڈپو، وشاکھا پٹنم۔ اور حضرت الحاج حافظ محمد سعید الرحمان صاحب۔ بانی ومہتمم جامعہ گلشن فاطمہ زہرا، وشاکھا پٹنم، اور حافظ محمد قاسم صاحب وشاکھا پٹنم کی خواہشوں کا احترام کرتے ہوئے کہ علم کا باب پہلے شائع کر لیا جائے، پھر عمل کا حصہ شائع کیا جائے گا۔ اور پھر اس کے بعد انشاء اللہ دونوں ایک ساتھ امام علم وعمل کے نام سے شائع ہوگا۔

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آب گینے کو

کے تقاضے سے علم کا باب ''امام اہل سنت شخصیت اور علمی کمال'' کے نام سے حاضر ہے۔ جس میں ۱۵ مستقل عنوانات کے تحت الگ الگ گوشوں کو آشکار کرنے کی کوشش کی گئی ہے جب کہ ذیلی عنوانات اس کے علاوہ ہیں۔ قارئین کو تشنگی کا احساس نہ ہو اس کا ہم نے ضرور اور بھرپور خیال رکھا ہے۔ اس لیے ہمیں یقین ہے کہ ارباب علم ویقین، مخلصین حضرات سے دعا ضرور حاصل ہوگی۔ بڑی ناسپاسی ہوگی۔ اگر ہم ان رفقائے سفر کا ذکر نہ کریں جو اس سفر میں ہمارے ہم قدم رہے ہیں ،اور تالیف کی اوبڑ کھابڑ راہوں میں گلہائے خلوص بچھائے ہیں۔

- شیخ الحفاظ حضرت حافظ وقاری طارق رضا نجمی صاحب، مدرس شعبۂ حفظ وقرأت، دارالعلوم رضویہ حبیبیہ، جوبرا، کٹک
- عزیزم محمد حامد رضا رضوی متعلم دارالعلوم رضویہ حبیبیہ، جوبرا، کٹک
- عزیزم محمد سرفراز احمد 〃 〃 〃
- عزیزم محمد عزرائیل نان پوری 〃 〃 〃

اور عزیزم ثاقب رضا نجمی، اسٹوڈینٹ بارہویں کلاس مارواری کالج، دربھنگہ ان سب نے مسودہ سے مبیضہ کرنے میں اپنا کافی وقت دیا۔ اللہ تعالیٰ نعمت علم وعمل سے مالا مال فرمائے اور تاحین حیات رضا کی محبت میں شرابور رکھے۔

○○○

ارمغان خلوص

فکر رضا کی اس محافظ ٹیم کی خدمت میں کہ لباس خضر میں مستور کچھ بہروپیوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کے بے غبار دامن اور جسم لطیف کو نشانہ بنانا شروع کیا تو یہی وہ چند شوریدہ سر تھے جو سینہ سپر ہو گئے اور تحریر سے، تقریر سے، فکر سے، تدبیر سے مسلک کی شیرازہ بندی میں جٹ گئے۔ اور

ادھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں — تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

کا نعرۂ مستانہ لگاتے ہوئے وہ دفاعی مورچہ سنبھالا کہ لوگوں کے ہوش ٹھکانے لگ گئے۔ آپ ہیں۔

- سراج ملت حضرت علامہ سید محمد سراج اظہر صاحب قبلہ بانی دارالعلوم فیضان مفتی اعظم، ممبئی۔
- مجاہد سنیت حضرت علامہ سید حسینی میاں صاحب قبلہ، ناگپور
- حضرت علامہ مفتی محمد شمشاد حسین صاحب، بدایوں
- حضرت علامہ مفتی ناظر اشرف صاحب، ناگپور
- حضرت مفتی محمد اختر حسین علیمی صاحب، جمداشاہی، (یوپی)
- حضرت مفتی اشرف رضا صاحب قاضی، مہاراشٹر ممبئی۔
- حضرت مولانا محمد عیسیٰ رضوی صاحب، امرڈوبھا۔
- حضرت علامہ محمد انیس عالم صاحب سیوانی، لکھنؤ
- حضرت علامہ محمد مرتضیٰ رضوی صاحب، ناندیڑ
- حضرت علامہ محمد رحمت اللہ صدیقی صاحب، ممبئی
- حضرت مولانا محمد قمر الزماں مصباحی صاحب، مظفر پور
- حضرت مولانا محمد ارشد رضوی صاحب، جامعہ قادریہ مقصود پور، مظفر پور

- حضرت مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب، پٹنہ
- حضرت مولانا محمد مشرف رضا صاحب ردولوی، ممبئی
- حضرت مولانا محمد اسلم القادری صاحب، سیتامڑھی
- حضرت مولانا حافظ انصار احمد صاحب ردولوی، الٰہ آباد (یوپی)

جو نام رہ گئے ہیں ان سے معذرت کے ساتھ

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن ہزار برس

OOO

منقبت

آسمان علم وحکمت آپ ہیں احمد رضا
پاسبان دین وملت آپ ہیں احمد رضا

عشق احمد کی تجلی غوث وخواجہ کی ضیاء
نازش بزم ولایت آپ ہیں احمد رضا

محفل عشق ووفا ہو یا ہو بزم علم وفن
جگمگاتے اپنی صورت آپ ہیں احمد رضا

قصرِ نجدی آج بھی لرزاں ہے جس کے نام سے
وہ امام اہل سنت آپ ہیں احمد رضا

آج کے اس پر فریب و پر خطر ماحول میں
سنیت کی بس علامت آپ ہیں احمد رضا

عاشقان مصطفیٰ کے دل کی ہے آواز یہ
عشق احمد کی ضمانت آپ ہیں احمد رضا

ہو رہے ہیں لوگ پھر دین میں تذبذب کے شکار
کیجئے للہ حفاظت آپ ہیں احمد رضا

جس کے علم وعشق کا ہے غیر کو بھی اعتراف
ایسے یکتا اعلیٰ حضرت آپ ہیں احمد رضا

عارفوں کے ازدحام اور عالموں کی بھیڑ میں
حضرتوں کے اعلیٰ حضرت آپ ہیں احمد رضا

کاسۂ دل کو لیے حاضر ہے نجم القادری
کیجئے نظر عنایت آپ ہیں احمد رضا

شرف انتساب

علم وعمل کے اس گوہر نایاب کے نام

- جو اگر پدرم سلطان بود پر فخر کرتا تو یہ اس کا حق تھا مگر اس نے شاہی پر فقیری کو ترجیح دی، اور فقیری میں شاہی کے مزے لوٹتا رہا۔
- جس کا فتویٰ حضرت امام اعظم کی آنکھ کو ٹھنڈک پہنچاتا رہا، تو جس کا تقویٰ حضور غوث اعظم کی روح کو راحت بخشتا رہا۔
- جس کے حزم واحتیاط اور تقویٰ وتقدس اور روحانی دبدبہ وشوکت سے متاثر ومتحیر ہو کر حکومت ہندوسعودیہ نے بغیر فوٹو کے حج وزیارت کی اجازت دے دی تھی۔
- جس نے ایمرجنسی کے ہوشربا دور اور نس بندی کے جان لیوا ماحول میں تحفظ دین وسنت اور استقامت علی الشریعت کا وہ عملی مظاہرہ فرمایا کہ حکومت وقت کے فیصلے بدل گئے۔
- جس کے تاریخی فتویٰ کی حقانی برکت ہے کہ آج پورے برصغیر میں مسلم نسل کی فصل لہلہا رہی ہے۔
- جس کی دینی وروحانی قیادت پر عالم اسلام کو ایسا اعتماد تھا کہ اس کی ''ہاں'' اور ''نا'' پر قضیے کی تھیوری بدلتی تھی۔
- جسے پوری دنیا مفتیٔ اعظم ہند کہتی ہے، مگر میرا وجدان مفتیٔ اعظم عالم کہہ کر بھی جذبۂ عشق کی تشنگی محسوس کرتا ہے۔
- جن کی نسبت ارادت کو میں اپنی دنیوی واخروی سعادت کی ضمانت سمجھتا ہوں آپ ہیں۔ تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین آل الرحمان حضور مفتی اعظم ہند علامہ الشاہ مصطفےٰ رضا خاں قادری جن کی نظر کیمیا اثر نے، کتنے ذروں کو رشک آفتاب اور فقیروں کو غیرت سمندر بنادیا۔ نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں۔

نذر عقیدت

اس پیکر ناز و نیاز کی خدمت میں

- جسے اس وقت عالم اسلام کے سنی مسلمانوں کی سچی رہنمائی اور پیشوائی کا شرف حاصل ہے۔
- جس کے فتویٰ میں امام احمد رضا کے فتویٰ چمک اور تقویٰ میں حضور مفتیٔ اعظم کے تقویٰ جھلک موجود ہے۔
- جسے خدائے بزرگ وبدتر نے قبول فی الارض کی ایسی بیش بہا نعمت سے نوازا ہے، جہاں چلے جاتے ہیں دیوانوں کے قافلے اتر پڑتے ہیں، جنگل میں منگل کا سماں چھا جاتا ہے۔ اور پروانوں کی برسات سے وادی وادی جل تھل ہو اٹھتی ہے۔
- جن کی دید بے قراروں کی عید، جنکی ملاقات سعادتوں کی سوغات اور جن سے گفتگو ہر روح مومن اور دل مضطرب کی آرزو ہے۔
- جنہیں اس وقت سنیت اور صلح کلیت کے درمیان نشان امتیاز بننے کا شرف حاصل ہے۔
- میری مراد ہیں خورشید شبستان رضویت، جانشین وخلیفہ حضور مفتی اعظم، تاج الشریعہ حضرت علامہ الشاہ محمد اختر رضا خاں صاحب قادری مدظلہ النورانی، بریلی شریف۔

اور

- اس مرد مجاہد کی بارگاہ میں جس کے مجاہدانہ کارناموں کی برکت سے اب بھی رگوں میں ایمان کی گرمی سلامت ہے اور جس کی للکار کی ہیبت سے آج تک ایوان باطل میں زلزلہ برپا ہے۔
- جس کے احقاق حق نے نجدی قاضی القضاۃ کو مبہوت وششدر کر دیا اور جیل کی آہنی سلاخوں کے بھیانک سایے میں بھی آپ نے وہی کہا جو امام احمد رضا کا پیغام حق وحقانیت تھا۔
- وہ، رئیس اعظم اڑیسہ تھا مگر ملت کو سرفرازانہ مقام دلانے کی خاطر حق گوئی وحق

کوشی کی پاداش میں کبھی ریل اور کبھی جیل کو اپنی آہوں سے آباد کرتا رہا۔

یعنی حضور مجاہد ملت حضرت علامہ الشاہ محمد حبیب الرحمان علیہ الرحمہ دھام نگر شریف، اڑیسہ۔

اور خلیفۂ حضور مفتیٔ اعظم، قطب مدینہ، اور مجاہد ملت علیہم الرحمہ والرضوان۔

- جنہیں مسلک اعلیٰ حضرت سے عشق کی حد تک پیار تھا، تقریباً نصف بہار کو وہ بریلوی جام پلایا کہ علاقہ کا علاقہ رضا، فکر رضا اور خانوادۂ رضا کی محبت میں مست وسرشار ہوا تھا۔
- جنہوں نے اپنے علمی کمال سے جید علما کی ایک زبردست ٹیم تیار کی اور جاتے جاتے جامعہ قادریہ مقصود پور کی شکل میں شہرستان علم قوم کے حوالے کیا۔

حق یہ ہے کہ وہ بہار کی بہار تھا، ملک کا وقار تھا، علم وعمل کا سنگار تھا اور مسلک اعلیٰ حضرت کے گلے کا نوری ہار تھا۔

آپ ہیں شیر بہار استاذ گرامی حضرت علامہ مفتی محمد اسلم رضوی علیہ الرحمہ، مظفر پور۔

اور

اس پیکر اخلاق واخلاص کی بارگاہ میں

- جو بولے تو پھول برسے، دیکھے تو نور ٹپکے، اور چپ رہے تو ارباب تصوف و طریقت کی یاد تازہ ہو جائے۔
- اعلیٰ حضرت سے محبت جن کی روح کی غذا اور مسلک اعلیٰ حضرت کے ارتقاء کی فکر جن کے صبح ومسا کا مشغلہ ہے۔
- جن سے پہلی ہی ملاقات میں آدمی ان کا والہ وشیدا ہو جاتا ہے۔
- آپ ہیں گل گلزار اسماعیل حضرت مولانا الشاہ سید محمد گلزار اسماعیل صاحب، صاحب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ مسولی شریف۔ (یوپی)

گر قبول افتد زہے عز وشرف

تقریظ

حضرت علامہ مولانا محمد وجہ القمر رضوانی صاحب

صدر المدرسین مدرسہ مدینۃ العلوم، کٹک

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿۲۸﴾

میرے دیرینہ محب محترم جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب نے اپنی تازہ تالیف (امام علم وعمل) کا مسودہ میرے پاس روانہ فرمایا اور فرمائش کی اس پر آپ جو مناسب سمجھیں تحریر فرمادیں، یہ پرانی الفتوں کا تقاضہ ہے ورنہ عرصہ دراز ہوا ہمارا رشتہ قرطاس وقلم سے ٹوٹ چکا ہے، اب تو حالات نے اتنا ناتواں کر دیا ہے کہ قلم اٹھاتے ہی سطر سطر پہ لغزش کا خدشہ ہوتا ہے، لیکن کیا کروں میرے مخلص کا ارشاد ہے، محترم کی فرمائش ہے، ارشاد مجی ناطق ہے ناچار اس راہ پر آجانا منظور ہے۔

ایک وہ زمانہ تھا جب ہم دونوں ایک ہی گلشن علم وحکمت جامعہ قادریہ کے صحن میں ایک ہی ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، پھر قسمت نے یاوری کی اور ہم دونوں مرکز علم وعقیدت بریلی شریف حاضر ہوئے اور خوشا قسمت کہ ہم دونوں ایک ہی بزم کے نجم وقمر تھے، فراغت کے بعد جناب نے خدمت دین کے لیے جنوبی ہند میں اپنا قیمتی وقت صرف فرمایا اور یہ ناچیز اڑیسہ کی قدیم راجدھانی کٹک میں آکر اٹک گیا، لیکن ہم جہاں رہے یادوں کی دنیا آباد رہی

وہ دل کہاں سے لاؤں تیری یاد جو بھلادوں

یادوں کی وارفتگی کام آگئی اور برسوں کی جدائی کے بعد شہر کٹک میں زیارت

کا موقع نصیب ہوا، دیدار ہوتے ہی پرانی الفتوں کے نغمے بربط دل پر تازہ ہوگئے، پہلے زندہ تصویر دیکھی پھر تسلی خاطر کے لیے آپ کی تحریر پیش نظر آ گئی۔ صفحۂ ہستی میں علمائے صالحین کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے جس کی تعریف میں قرآن حکیم کی آیت ناطق اور احادیث مقدسہ وارد ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط الخ بے شک اللہ تعالیٰ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

آیت مذکورہ نے واضح کر دیا اس فرش زمین پر ایک ایسی مقدس جماعت ہے جسے علمائے کاملین کہا جاتا ہے یہی وہ انسان ہوتے ہیں جن کے دلوں میں خوف الٰہی زیادہ ہوتا ہے، خشیت حق تعالیٰ سے ان کے سینے معمور ہوتے ہیں، کیوں کہ علم دین ہی وہ عظیم دولت ہے انمول سرمایہ ہے جس سے مالا مال ہونے کی بنا پر مقام الوہیت اور شان نبوت کی معرفت وشناخت ہوتی ہے، ایسے حضرات قانون اسلام، آداب شرعیہ، مسائل دینیہ، اور فضائل ملیہ سے بخوبی آشنا ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی عبادت وبندگی لذت وحلاوت سے بھرپور اور دوسروں کے لیے نمونۂ عمل ہوتی ہے۔

امام اہل سنت کا علمی مقام کتنا بلند تھا اسے ہم جیسا کم علم کیا پیمائش کر سکتا ہے، میں آپ کے علمی وقار کے بارے میں یہ اعتراف کرتے ہوئے حق بجانب ہوں کہ آپ کے تبحر علمی وشان قابلیت کے سامنے وقت کے مایہ ناز عالم طفل مکتب نظر آتے تھے۔

اطاعت وبندگی کی جان الفت حبیب عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، عشق نبی میں جتنی وارفتگی ہوگی طاعت وفرماں برداری، عبادت وریاضت میں اسی قدر اخلاص وللّٰہیت ہوگی، امام اہل سنت کا کیا کہنا، ان کے مزاج وفطرت اور سرشت میں الفت رسول شامل تھی اس بارے میں خود امام عشق ومحبت ہی سے سن لیجئے، ارشاد فرماتے ہیں

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

جب ہم بغور دیکھتے ہیں تو کہیں علم نظر آتا ہے عمل ناقص دکھائی دیتا ہے، کہیں کچھ عمل نظر آتا ہے تو علم کامل نظر نہیں آتا، لیکن امام اہل سنت کا معاملہ ان دونوں سے جداگانہ ہے، آپ کی امتیازی شان یہ تھی جہاں آپ علم وحکمت کے تاجور تھے، عمل کی دنیا میں اپنے آقا ومولیٰ کی سنتوں کے پابند اپنے اسلاف کی ریاضتوں کے پرتو کامل اور عکس نفیس تھے۔

فرائض وواجبات تو بہت بلند عبادت ہے آپ نے اپنی زندگی میں کبھی سنن ونوافل بھی ترک نہیں فرمایا۔

آج کی ظاہر بین دنیا میں ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو امام اہل سنت کے بارے میں یہ گمان رکھتا ہے کہ بہت بڑے مولانا ضرور تھے، وقت کے بڑے پیرومرشد نہیں تھے کیوں کہ ان کی نگاہ میں صرف تسبیح خوانی ہی نشان ولایت وشان شیخ طریقت ہے۔

خدا بھلا کرے جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب کا جنھوں نے اپنے نوک قلم سے ثابت کر دیا کہ امام اہل سنت صرف علم وحکمت کے شہنشاہ نہیں تھے، بلکہ جملہ خانقاہی رسم وروایات کے مسلم میر وپیر تھے، فتویٰ بھی لکھا کرتے تھے تعلیم وتربیت بھی فرماتے تھے اور مجاہدے اور ریاضت بھی کرتے، طاعت وبندگی کے معاملے میں اپنے وقت میں بے مثل وبے نظیر تھے۔

حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب کی تازہ ترین تالیف آپ کے پیش نظر وزینت مطالعہ ہے ورق الٹتے چلے جایئے اور لطف حاصل فرمایئے، میرا خیال ہے کتاب کا ہر ورق آپ کو امام علم وحکمت کے علمی عملی کمال کا آئینہ پیش کرے گا، جس سے آپ کی عقیدت میں مزید اضافہ ہوگا۔

یوں تو ڈاکٹر صاحب پرانے قلم کار و صحافی ہیں آپ کی قوت قلم زیادہ عشق رضا
میں صرف ہوئی ہے جس کا ثبوت آپ کی تالیفات ہیں اس لیے میں یہ کہنے میں حق
بجانب ہوں کہ آپ کی ذات بے شک وشبہ قابل تعریف، آپ کی تحریر لائق مطالعہ،
اور آپ کی تحقیق چشم کشا ہی نہیں شک وارتیاب کے گرداب میں ٹامک ٹوئیاں
کھانے والوں کے لیے سرمایۂ ہدایت بھی ہے اور سرمۂ بصیرت بھی، اللہ تعالیٰ اس
کتاب کے ذریعہ امام احمد رضا کے علمی فیضان اور فکری عرفان کو چمن چمن اور پھول
پھول عام وتام فرمائے۔

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد مرتضیٰ رضوی

بانی ومہتمم دار العلوم چشتیہ نوریہ، ناندیڑ، مہاراشٹرا

امام اہل سنت شخصیت اور علمی کمال، حضرت علامہ ڈاکٹر نجم القادری صاحب
پی، ایچ، ڈی میسور یونیورسیٹی میسور کی تازہ تالیف لطیف ہے جو قارئین کی ضیافت
طبع کے لیے حاضر اور باصرہ نواز ہے، جس میں ڈاکٹر صاحب نے عصر حاضر کے
تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام اہل سنت کی تحقیقات منیفہ وتدقیقات انیقہ سے کسب
نور وضیاء کر کے طاق علوم وفنون سجانے کی کوشش کی ہے، یہ کوشش کچھ ایسے اچھوتے
انداز میں ہے جس کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے یہ ڈاکٹر صاحب ہی کا حق وحصہ ہے، ڈاکٹر
صاحب نے جو مواد ومضامین یکجا کیا ہے ان میں بعض گرچہ مشہور ہیں مگر ان سے جو
نتیجہ اخذ کیا گیا ہے، اور جس انداز میں انھیں جدت کا لباس پہنایا گیا ہے وہ نایاب
نہیں تو کامیاب ضرور ہیں، مواد کی پیشکش میں معتبر اخذ واقتباس کا احتیاط بھرا دامن
انھوں نے تھاما ہے اسے دیکھ کر بے ساختہ زبان سے یہ نکلتا ہے کہ یہ تو نظم لولو ہے،
ڈاکٹر صاحب کی جتنی بھی کتابیں، تصنیفات، رسالے یا مضامین ہیں سب ارباب
فکر ودانش کے نزدیک مقبول ومحبوب ہیں، کیوں کہ آپ نے اپنے قلم کو فکر اور فکر کو
عشق رضا کی روشنی دے کر زبان وبیان کی ندرت وجودت کا بھرپور خیال رکھا ہے،
اہل سنت وجماعت کی شیرازہ بندی کے لیے بھی آپ نے اصاغر واکابر اور درسگاہ
وخانقاہ کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام اہل سنت کے پیغام کو پیش کرنے کی بڑی
مبارک کوشش کی ہے۔

خلیفۂ حضور مفتئ اعظم ہند، شیر بہار حضرت علامہ مفتی محمد اسلم رضوی صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان نے ڈاکٹر صاحب موصوف کی تعلیم وتربیت میں فکر رضا اور اتحاد سنیت کی عظمت وفوقیت کو ان کی رگ وپے میں کچھ اس طرح رچا بسا دیا ہے کہ ان کی تحریر سے یہ جوہر ٹپکتے معلوم ہوتے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں جس مضمون نے مجھے غرق حیرت کر دیا اور بار بار پڑھنے پر مجبور کیا وہ ہے محقق بریلوی اور جدید اصول تحقیق بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ قدیم کتابوں کے سمندر کی پیراکی کرنے والے امام احمد رضا جدید دور کے تحقیقی تقاضوں پر کیسی گہری نظر رکھتے تھے، اس کا بین ثبوت امام احمد رضا کی تصنیف **حجب العوار عن مخدوم بہار** ہے، جو سلطان المحققین، مخدوم جہاں، سرمایۂ بہار و بہار ہندوستان حضرت شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے دفاع میں لکھی گئی ہے، اس کتاب میں آپ نے تحقیق، اصول تحقیق، جدید تقاضائے تحقیق کی ایسی حنابندی کی ہے کہ لگتا ہے برسوں آپ نے اسی عنوان کا مطالعہ کیا ہے، اور حضرت رضا بریلوی کے اس نہاں وصف کو عیاں کرنے کا سہرا ڈاکٹر صاحب موصوف کے سر ہے، ڈاکٹر صاحب موصوف کو میں مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے اس حوالے سے اولیت کا تمغہ اپنے حوالے کر لیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی اس مختصر، جامع اور رضویات کے سمندر میں مخفی اس جلوے کی رونمائی پر زمانہ انھیں یاد رکھے گا، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے استاذ حضرت علامہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری صاحب خلیفۂ امین شریعت ومحدث کبیر سے اکتساب فیض کی توفیق رفیق بخشے، نیز اس کتاب کو قبولیت عام وشہرت دوام کی دولت سے مالا مال فرمائے، آمین۔

تقدیم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء) اپنے زمانے میں بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ رب کائنات نے انھیں اپنے خصوصی کرم سے بہت بڑا بنایا تھا۔ اتنا بڑا کہ آپ کے عہد میں پورے عالم اسلام میں کوئی آپ سے بڑا نہ تھا اور کسی ایک فن میں آپ کو بڑا نہ بنایا تھا بلکہ دنیا میں اس زمانے میں جتنے علوم وفنون رائج تھے ان تمام علوم وفنون میں آپ کو امارت حاصل تھی بلکہ آپ کی سیرت کے مطالعہ سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ کچھ فنون ایسے بھی تھے جن کے آپ خود موجد تھے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جن فنون میں آپ کو کمال حاصل تھا ان تمام فنون میں آپ کی تالیفات وتصنیفات ملتی ہیں۔

ایک دانشور نے راقم سے ایک ملاقات میں فرمایا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی ذات میں جن علوم وفنون کے دریا موجزن تھے آپ کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' میں وہ تمام علوم وفنون پائے جاتے ہیں لیکن اس چیز کا عرفان اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جس کا علم بھی وسیع ہو اور مطالعہ بھی۔ جب کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی تالیفات وتصنیفات کو صحیح طور پر سمجھنے والوں کا حلقہ دن بہ دن سمٹتا جا رہا ہے۔ کسی کو مظہر علوم اعلیٰ حضرت لکھ دینا آسان ہے، اسے ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔ ہمارے یہاں القاب وآداب اتنے ارزاں ہو گئے ہیں کہ کوئی بھی کسی کے بارے میں کچھ بھی لکھ دیتا ہے۔ جماعت اہل سنت میں ماہرین علوم وفنون کی کمی نہ کل تھی، نہ آج ہے۔ کسی کا کسی فن میں ماہر ہونا

الگ بات ہے لیکن مظہر علوم اعلیٰ حضرت ہونا یہ زمین کو آسمان سے ملانے جیسی بات ہے۔ جماعتی شخصیات کا تعارف ہو اور بڑے پیمانے پر ہو لیکن تعارف میں واقعیت ہو، سچائی ہو۔

یونہی آج جو جس کو چاہ رہے ہیں اعلیٰ حضرت لکھ دیتے ہیں، حالاں کہ سب جانتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت بولتے ہی ذہن فوراً بریلی شریف پہنچ جاتا ہے، امام احمد رضا یاد آجاتے ہیں، اعلیٰ حضرت چاہے کسی کو کہا یا لکھا جائے یاد احمد رضا آتے ہیں، لغت میں الفاظ والقاب کی کمی نہیں ہے، جو لفظ یا جو لقب جس کے نام کا حصہ ہو بلکہ لقب بن چکا ہو وہ کسی اور کے لیے دانستہ یا نادانستہ استعمال کرنا یہ کہاں کی دیانتداری ہے، اس طرح تو غیر ارادی طور پر امام احمد رضا ہی کا تعارف ہو رہا ہے، اور اگر خدانہ کرے دل میں یہ ارادہ ہے کہ لفظ ''اعلیٰ حضرت'' دوسروں کے لیے اتنا استعمال کرو کہ یہ مولانا احمد رضا کے لیے ہلکا ہو جائے تو یاد رکھ لیں چڑھتے سورج کی طرح ان کی عظمت کی روشنی بڑھتی جارہی ہے، یہ تو مدنی عطیہ ہے، نبوی فیضان ہے اسے کون گھٹا سکتا ہے، اسد اقبال نے اسی پس منظر میں بڑا حقیقت افروز خیال پیش کیا ہے۔

تمہارے ماتھے پہ کیوں شکن ہے جو کہہ رہا ہوں میں اعلیٰ حضرت
میرے رضا کو جو اعلیٰ حضرت بنا رہا ہے میرا نبی ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ جس طرح سمندر میں مچھلیاں ہوتی ہیں اور بہت ہوتی ہیں، ان کی تعداد اور قسمیں بتانا بہت مشکل ہے، بلکہ ناممکن ہے۔ کوئی ماہر سے ماہر ملاح بھی اب تک سمندر کی مچھلیوں کی قسموں کا تعین نہیں کرسکا ہے۔ ماہرین مچھلیات بھی اس سے عاجز ہیں۔ اسی طرح آپ کی حیات کی جہتوں کا اب تک تعین نہیں ہوسکا ہے۔ ماہرین، محققین اور مدبرین آپ کی حیات کی جہتوں کی فہرست بناتے ہیں۔ جب

ان کے مطالعہ میں مزید وسعت آتی ہے، تو اُن کی اپنی بنائی ہوئی فہرست ان سے نظر ثانی کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس طرح وہ فہرست خود ان کی نگاہ میں مشکوک ہو جاتی ہے۔ ہر آنے والا وقت آپ کی حیات کی نئی تب وتاب لے کر آتا ہے۔ کسی نے آج تک آسمان کو زمین پر اُترتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ماہرین اور محققین بتاتے ہیں کہ اگر کسی کے دل میں آسمان کو زمین پر دیکھنے کی خواہش ہو تو وہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت کو دیکھ لے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی تالیفات وتصنیفات کا ایک معتد بہ حصہ غیر مطبوعہ شکل میں اب بھی الماریوں کی زینت ہے۔ ابھی سال دو سال قبل کی بات ہے کہ ان کی تالیفات وتصنیفات کے کچھ غیر مطبوعہ نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔ دستیاب شدہ نسخوں میں سے ایک کتاب رضا اکیڈمی ممبئی کے پلیٹ فارم سے ''اکسیر اعظم'' کے نام سے منظر عام پر آئی ہے۔ یہ کتاب آج سے ایک سو تیس (۱۳۰) سال قبل لکھی گئی تھی اور فارسی زبان میں ہے جس کا ترجمہ صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی نے ''تاب منظم'' کے نام سے کیا ہے۔۔ محبوب سبحانی قندیل عرفانی اور آقائی ومولائی حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ہے۔ عشاق غوث اعظم کے لیے یہ کتاب یقیناً اکسیر اعظم ہے۔ دھیرے دھیرے اعلیٰ حضرت کے غیر مطبوعہ علمی وفنی شہ پارے زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ اور ان شاء اللہ ان کی ساری تصنیفات دیر یا سویر منظر عام پر آکر رہیں گی۔

چوں کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا اوّلین مقصد رضائے الٰہی ومحبت رسالت پناہی تھا۔ ان کی کتب کی تعداد تقریباً ایک ہزار بتائی جاتی ہے، اور فراوانیٔ ادراک یہ ہے کہ ان ہزاروں کتابوں میں پھیلی باتیں کہیں کسی سے متصادم اور مزاحم نہیں ہیں، جو ایک بار لکھ دیا ۳۵، ۴۰ برسوں کے بعد پھر وہی سوال آیا تو وہی لکھا جو پہلے لکھا تھا، یہ ہے تفقہ اور تیقن، یہ خامیٔ کثیر التصانیف بننے کا شوق رکھنے والے

بہت سے مصنفین کے یہاں ہمیں نظر آتی ہے کہ دوسری بار میں وہ بھول جاتے ہیں کہ پہلے کیا لکھا تھا، اس طرح خود ان کی تحریر، اپنی تحریر سے ٹکرا رہی ہے اور کشمکش میں قارئین پڑے رہتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے صرف کتابوں کا انبار نہیں لگایا، قطار نہیں کھڑی کی، جو لکھا مبہم نہیں مبین اور مبرہن لکھا، ہم جانتے ہیں کہ تقریباً ہزار کتابوں کا مصنف ہونا بھی کچھ کمال کی بات نہیں ہے، مگر کمال بالائے کمال یہ ہے کہ تحریر میں جھول نہ ہو، دلائل میں نقص نہ ہو، پیش کش میں کمزوری نہ ہو، مضمون میں انقباض نہ ہو، اس خوبی نے امام احمد رضا کو آفاقی شخصیتوں میں مفتخر اور ممتاز کیا ہے، ان کی بہت سی کتابیں دیمک کی نذر ہو گئیں، کچھ غائب اور کچھ مفقود الخبر ہو گئیں، تم بھی یہ تعداد ہزار تک پہنچتی ہے، خود لکھتے ہیں، فقیر کے چار نعتیہ بیاض گم ہو چکے ہیں لیکن فقیر کو اس کا غم نہیں ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ فتاویٰ رضویہ کی بھی ایک جلد غائب ہوئی ہے۔ آپ کی کتب سیرت کے مطالعہ سے اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ آپ کے ابتدائی پانچ سات سالوں کے فتاوؤں کے جمع کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ اگر اہتمام ہوتا تو فتاویٰ رضویہ کی جلدوں کی تعداد بیس سے بھی زائد ہوتی۔ فتاویٰ رضویہ فقہی معلومات کا ایک ایسا بیش بہا خزانہ ہے جس کی مثال دور دور تک نظر نہیں آتی۔ محققین علماء فقہا اور محدثین نے فتاویٰ رضویہ کو فقہ کا انسائیکلو پیڈیا کہا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شخصیت کمالات کی جامع تھی۔ تیرہ سال کچھ ماہ کی مدت میں آپ کو سند فراغ سے نوازا گیا۔ اسی سال مسند افتاء پر بٹھائے گئے اور اسی سال شرعی احکام آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ قریب قریب پچاس سالوں تک آپ مسند افتاء کی زیب و زینت بنے رہے۔ اسلامی تاریخ میں مفتیانِ کرام کا ایک طویل سلسلہ ہے، اگر ان کی فہرست سازی کی جائے تو کئی مجلدات تیار ہو جائیں۔ دنیا میں جتنے مفتیانِ کرام گذرے ہیں اور موجود ین

میں جن سے مسند افتاء کا تقدس محفوظ ہے ان کے احترام کا چراغ ہمارے دل میں روشن ہے۔ لیکن کسی مفتی کے تعلق سے یہ بات پورے وثوق کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ جس سال ان کو سند فراغت حاصل ہوئی اسی سال وہ مسند افتاء پر بٹھائے گئے۔ اسی سال شرعی احکام ان کی طرف متوجہ ہوئے اور پورے تسلسل کے ساتھ پچاس سالوں تک مسند افتاء کی وہ زینت بنے رہے۔ میری معلومات کے مطابق پوری اسلامی تاریخ میں یہ امتیاز صرف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کو حاصل ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے امتیازات کی اگر فہرست تیار کی جائے تو خود ایک کتاب تیار ہو جائے۔ مفتیانِ کرام اور فقہائے اسلام سے ہماری اسلامی تاریخ کا ہر ورق اور ہر باب روشن ہے۔ اسلامی عدالت میں ایک مفتی کی حیثیت ایک ماہر وکیل، ایک مدبر جج اور ایک چیف جسٹس کی ہوتی ہے۔ ایک مفتی اور قاضی کے فیصلے کے سامنے بادشاہِ وقت اور حکومت وقت کو بھی سپر ڈال دینا پڑتا ہے۔ مفتیانِ کرام اور فقہائے اسلام کی تاریخ کے مطالعہ سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ان میں بعض علاقائی سطح پر پہچانے گئے، بعض صوبائی سطح پر پہچانے گئے اور بعض عالمی سطح پر پہچانے گئے۔ ان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کئی جہتوں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ آپ کے زمانے میں کئی عالمی مسائل تھے جن کا حل قوم و ملت شدت سے ڈھونڈ رہی تھی۔ آپ کے عہد کے فقہاء ان مسائل کا اطمینان بخش حل پیش کرنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہے تھے۔ جیسے کرنسی نوٹ کا مسئلہ، منی آرڈر کا مسئلہ، علم غیب رسالت کا مسئلہ، قرآن افضل ہے یا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک افضل ہے۔ سائنس دانوں کی بعض تھیوریاں بھی مسلمانوں کو پریشان کیے ہوئی تھیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے مذکورہ تمام مسائل کا اتنا سنجیدہ اور دلائل و براہین سے مزید حل

پیش فرمایا کہ فقہائے وقت کی پیشانیاں مسرت سے چمک اٹھیں اور قوم وملت کی الجھنیں بھی جاتی رہیں۔ مذکورہ مسائل پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی باضابطہ عربی زبان میں کتب موجود ہیں، جو عربی، اردو میں بار بار زیورِ اشاعت سے آراستہ بھی ہوچکی ہیں۔ ان عالمی مسائل کا تفصیلی حل ان کتب میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اپنے زمانے میں مرجع فتاویٰ تھے۔ پورے عالم اسلام سے آپ کی بارگاہ میں سوالات آتے تھے اور سوالات عموماً عربی، فارسی اور اردو میں ہوتے تھے، انگریزی میں بھی سوال ہوا ہے مگر جواب کے مضمرات بولتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے الفاظ کو انگریزی کا قالب دینے والے کوئی اور ہیں۔ فتاویٰ رضویہ اور آپ کی دوسری کتب میں ان کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ سائلین کی صف میں صرف عوام کا طبقہ ہی نہیں ہے، زندگی کے ہر شعبے سے جڑے ہوئے لوگ شامل ہیں۔ علما، فقہا، محدثین، عقلا، فلاسفہ، وکلا، خانقاہوں کے سجادگان، ادبا، شعرا، سائنس داں اور کمال کی بات یہ ہے کہ آج تک عدم جواب کی کسی سائل کی شکایت سننے یا پڑھنے کو نہیں ملی۔ یا کسی کی یہ بھی شکایت نہیں ملتی کہ ان کے جواب سے ہمیں اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ سائل اپنے سوالوں کا حل ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک جاتا تب آپ کی طرف رجوع کرتا اور آپ کے جوابات سے اسے کامل اطمینان ہوجاتا۔ اس طرح کے نمونے بھی فتاویٰ رضویہ میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔ آپ نے سائنس دانوں کا بھی تعاقب کیا ہے اور ان کے باطل افکار وخیالات کا انھیں کے دلائل سے رد فرمایا ہے۔ اس حوالے سے بھی آپ کی تالیفات وتصنیفات ملتی ہیں۔

یعنی ایسا نہیں کہ آپ کی کسی ایک جہت سے عالمی حیثیت تھی بلکہ جن علوم وفنون میں آپ کو مہارت حاصل تھی ان تمام علوم وفنون میں آپ کی عالمی حیثیت

مسلم تھی۔ آپ نے خود اپنے علوم وفنون جو شمار کرائے ہیں ان کی تعداد ۵۹ ہوتی ہے لیکن جدید تحقیقات کی روشنی میں آپ کے علوم وفنون کی تعداد دو سو سے زائد ہوتی ہے۔ زیر نظر کتاب ''امام اہل سنت: شخصیت اور علمی کمال'' میں صاحب کتاب حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب نے ایک سو بیس علوم وفنون کی باضابطہ انگریزی ناموں کے ساتھ فہرست پیش کی ہے۔ اس تعلق سے محققین میں ابھی تک اتفاق نہیں ہوسکتا ہے۔ ہر محقق نے اپنے اپنے علم اور مطالعہ کی بنیاد پر آپ کے علوم وفنون کی فہرست پیش کی ہے مگر اکثریت دو سو کے حق میں ہے۔ اگر آپ کے بیان کے مطابق ۵۹ علوم ہی مان لیے جائیں تو بھی آپ کے عہد میں پورے عالم اسلام میں کوئی آپ کا ہم پلہ نظر نہیں آتا۔ اس لیے ماننا ہوگا کہ آپ اپنے تمام علوم وفنون میں عالمی حیثیت کے مالک تھے۔ یہ جو باتیں کہی جارہی ہیں اس کے بے شمار شواہد ہیں۔ اگر کسی کو اطمینان حاصل کرنا ہو تو رضویات کا مطالعہ کرے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کثیر الجہات اور جامع العلوم شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی جامعیت کے حوالے سے خود صاحب کتاب حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری رقم طراز ہیں:

''آپ اپنے دَور کے وہ منفرد فاضل ہیں جن کی نظریں مسائل کی تہہ تک تعاقب کرتی تھیں۔ آپ کا سائل آپ سے مطمئن بھی ہوتا تھا اور متاثر بھی۔ اسی لیے ان سے استفادہ کرنے والوں میں خانقاہ کے سجادہ نشین بھی ہیں اور درس گاہ کے مدرسین بھی۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ بھی ہیں اور جامعات کے علما وفضلاء بھی۔ مکاتب ومدارس کے نکتہ داں بھی ہیں اور عدالت کے حکمراں بھی۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہوجاتی یا جواب تو ملتا مگر تشفی نہیں ہوتی۔ تو لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے پھر کیا تھا امام احمد رضا کا قلم چلتا اور دلائل وبراہین کے انوار سے سائل کا دامن بھر جاتا۔ ان کی تحریر میں مادہ انقلاب، ان کی باتوں میں سحر

آفرینی، ان کے افکار میں تسخیری طوفان اور قوتِ تخلیل میں ایسی غیر معمولی کشش تھی کہ نظریں غبارِ راہِ تحقیق کا بوسہ لیتیں اور دل بچھ بچھ جاتے اور غیر محسوس طور پر جبین عقیدت خراج محبت لٹانے لگتی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شخصیت سمندر صفت شخصیت تھی۔ ان کی شخصیت میں جو وسعت و گہرائی ہے، اسے آج تک کوئی ناپ نہیں سکا ہے۔ جیسے جیسے ان پر تحقیقات کی رفتار بڑھ رہی ہے ویسے ویسے ان کی شخصیت پھیلتی جارہی ہے۔ کوئی محقق آپ کی حیات کے کسی ایک گوشے کو اپنی تحقیق کا موضوع بناتا ہے، جب اس کی تحقیق کا سفر شروع ہوتا ہے تو اس ایک گوشہ کے بطن سے کئی گوشے اُبھر آتے ہیں اور اُبھرنے والا ہر گوشہ تحقیق طلب موضوع کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ محقق ایسے مقام پر شدید کشمکش کا شکار ہوجاتا ہے۔ مجبوراً اسے ان گوشوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ اب تک آپ کی حیات و خدمات کے جن گوشوں پر تحقیقات ہوئی ہیں ان میں کوئی بھی گوشہ مکمل طور پر احاطۂ تحریر میں نہیں لایا جاسکا ہے۔ مثال کے طور پر نعت کے عنوان پر کئی محققین نے پی ایچ ڈی کے مقالات لکھے ہیں۔ ان مقالات پر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی انھیں تفویض کی گئی ہیں اور کتابی شکل میں ان میں سے بعض کی اشاعت بھی ہوئی ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی نعت کا جو فکری معیار ہے اور فنی اقدار کا جو عمامہ لفظوں کے سروں پر سجا ہے اس کے حسن حقیقی اور جوہر اصلی کے تعارف و ترجمانی تک افکار کی رسائی نہیں ہوئی ہے، لگتا ہے دروازہ پر دستک دے کر کوئی خاموش ہوگیا ہو، بہر حال کچھ تو ہوا ہے، کچھ جلوے تو بکھرے ہیں، کم از کم اس راہ میں شمع تو جلی ہے، آئندہ کے لیے راہ تو ہموار ہوئی ہے، ہم ان تمام کی کوشش کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام نعت گویاں کی نعت گوئی کا حال تو یہ ہے کہ ان کے نعتیہ کلام کے ایک شعر پر ایک ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

ان کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' علوم و معارف کا ایک ایسا گنجینہ ہے جس کی تہوں تک بآسانی رسائی نہیں ہوسکتی ہے۔ نمونے کے طور پر چند شعر ملاحظہ کریں:

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے
حجاب اُٹھنے میں لاکھوں پردے، ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

مقصود یہ ہیں آدم و نوح و خلیل کے
تخم کرم میں ساری کرامت ثمر کی ہے
ان کی نبوت ان کی ابوت ہے سب کو عام
اُم البشر عروس انھیں کے پسر کی ہے
ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل
اس گل کے یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے

نقطۂ سر وحدت پہ یکتا درود
مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام
شرقِ انوارِ قدرت پہ نوری درود
فتق ازہارِ قربت پہ لاکھوں سلام
بے سہیم و قسیم و عدیل و مثیل
جوہر فردِ عزت پہ لاکھوں سلام

ہمارے ایک دوست جو اتفاق سے صف علما میں بھی شامل ہیں، صف شعراء میں بھی ان کا نام آتا ہے اور ناقدین زبان و ادب میں بھی شامل ہیں۔ اچھی فکر، اچھا شعور اور اچھی صلاحیتوں کے بھی مالک ہیں۔ انھوں نے ایک رسالے میں جو لکھا ہے اس کے من و عن الفاظ تو میرے ذہن کے حاشیے میں محفوظ نہیں ہیں۔ اس کا

مفہوم یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شخصیت اور فن کو
بھی تنقید کے دائرے میں لانے کی ضرورت ہے لیکن ان کی یہ اپنی سوچ ہے۔ اعلیٰ
حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی ذات سے انھیں بے پناہ محبت بھی
ہے اور ان کی شخصیت کے حوالے سے وہ مصروفِ عمل بھی ہیں۔ انھوں نے بھی اعلیٰ
حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شخصیت ہی پر پی ایچ ڈی کی ڈگری
بھی حاصل ہے اور اتفاق یہ ہے کہ ان کا مقالہ بھی تنقید ہی کے حوالے سے ہے۔
یہاں اختیار کے ساتھ یہ بتادوں کہ تنقید اسی فن پارے پر ہوتی ہے، جو شعور میں
آئے لیکن جو فن پارہ ناقدین کے فکر و شعور کو روندتا ہوا گذر جائے اس فن پارے پر
تنقید کیسے ہوسکتی ہے۔ ناقدین کی صف میں ایک بھی ناقد ایسا نظر نہیں آتا جو اعلیٰ
حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے کسی فن پارے کو مکمل طور پر سمجھنے کا
دعویٰ کرسکے۔ آپ کی شخصیت سے وابستہ ہر گوشہ ناقدین کی دسترس سے باہر ہے۔
یہی وجہ ہے کہ جب آپ کے کسی فن پارے پر تنقید کی بات آتی ہے تو ناقدین یہ
کہتے ہوئے گذر جاتے ہیں کہ

جس کو ہو جان و دل عزیز تیری گلی میں جائے کیوں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے نام پر قلم کو بال و پر مل
جاتے ہیں۔ ان کے علمی، فکری اور لسانی فن پاروں کی بات جب چلتی ہے تو قلم رُکنے
کا نام ہی نہیں لیتا ہے۔ ان کے علوم و فنون کی قندیلیں ستاروں کے مثل پھیلی ہوئی
ہیں۔ ان سب کو سمیٹنا آج کے کسی انسان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ جو ہو رہا ہے
اور جو کر رہا ہے وہ اپنی صلاحیتوں کی روشنی میں کر رہا ہے اور لائق مبارک باد ہے کہ
اس کا رشتہ اعلیٰ حضرت سے جڑا ہوا ہے۔ ہماری اسلامی تاریخ میں مصلحین اُمت
کے علمی، فنی اور لسانی شہ پاروں سے اسلام کی پیشانی چمک دمک رہی ہے۔ ان علمی
شہ پاروں پر ہر خطے میں محققین کی جماعت اپنے اپنے طور پر کام بھی کر رہی ہے۔

ان کی تحقیق سیرت و سوانح کی شکل میں، مقالوں کی شکل میں اور رسالوں کی شکل میں
منظر عام پر آ بھی رہی ہے اور پھیل بھی رہی ہے مگر میری نظر میں مصلحین اُمت کی
پوری تاریخ میں کوئی ایسا مصلح نہیں جس کی شخصیت پر ۱۰۰۰ یا کم از کم ۵۰۰ کی تعداد
میں کتب و رسائل آئے ہوں۔ یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ
کا امتیاز ہے کہ آپ کی حیات و خدمات کے حوالے سے اب تک بارہ سو سے زائد
کتب و رسائل منظر عام پر آچکے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق یہ ایک ایسا عالمی
ریکارڈ ہے جسے چیلنج کرنا سورج پر کمنڈ ڈالنے یا جوئے شیر لانے سے کم نہیں بلکہ
سنجیدگی سے تحقیق کی جائے تو اس تعداد میں اضافہ بھی ہوسکتا ہے۔

زیر نظر کتاب ''امام اہل سنت: شخصیت اور علمی کمال'' مذکورہ تعداد میں ایک
خوب صورت اضافہ ہے۔ صاحب کتاب حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم
القادری صاحب کا شمار محققین رضویات میں ہوتا ہے۔ آپ بہت دنوں سے
رضویات کی پھیلی ہوئی زلفوں کو سنوارنے اور بکھری ہوئی کڑیوں کو جوڑنے میں
مصروف ہیں۔ آپ کی پی ایچ ڈی کا مقالہ ''امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ'' کے عنوان
سے ہندو پاک میں کئی بار زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو کر مقبولِ خواص و عام
ہو چکا ہے۔ ''امام اہل سنت: شخصیت اور علمی کمال'' بابِ رضویات میں اپنے نام کی
پہلی کتاب ہے۔ کتاب کے مرکزی عناوین گیارہ ہیں۔ یہ عناوین کتاب کے مغز کی
حیثیت رکھتے ہیں اور ہر عنوان پر اجمالی گفتگو کی گئی ہے۔ یعنی یہ کتاب اناساگر کو
کوزے میں سمیٹنے کی ایک انتہائی مستحسن کوشش ہے۔ اس میں عوامی ذہن و فکر کا بھی
خیال رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ کسی موضوع پر طویل بحث کو عوامی طبقہ جلد قبول
کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔ عوام کم وقت میں زیادہ کلام کی باتیں ڈھونڈتی
ہے۔ جدید ایجادات نے انسان کو بہت زیادہ آرام طلب بنادیا ہے۔ اب پڑھے
لکھے لوگ بھی کتابوں کی طرف بہت کم رُخ کرتے ہیں۔ وہ انٹرنیٹ کھولتے ہیں

اور اپنی ضرورت کی چیزیں وہاں دیکھ لیتے ہیں۔اس لیے اب مصنفین کی سوچ میں
بھی بہت تیزی کے ساتھ تبدیلی آرہی ہے۔وہ کم صفحات میں زیادہ کام کی باتیں
لانے کی کوشش کررہے ہیں۔حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب
دانشور علما کی صف میں شامل ہیں۔ان کی فکر کا کبوتر ہمیشہ اونچی اُڑان بھرتا ہے۔
عوام اور خواص دونوں کے ذہنی وفکری سطح سے انھیں اچھی خاصی واقفیت ہے۔آپ
اکثر وہی چیز پیش کرنا چاہتے ہیں جسے ہر طبقہ بآسانی قبول کرلے۔ان کی کوئی بھی
تحریر تحقیق سے خالی نہیں ہوتی۔ان کی تقریر بھی تحقیق کا حسن لیے ہوتی ہے۔ہم
نے انھیں بہت قریب سے دیکھا بھی ہے، پڑھا بھی ہے اور سنا بھی ہے۔وہ ہمیں ہر
محفل اور ہر بزم میں محقق ہی نظر آئے۔ان کی ذات میں موجود تمام رنگوں میں
جو رنگ سب سے زیادہ قابل احترام ہے وہ مذہب ومسلک میں ان کا تصلب ہے۔
آج آزاد خیالی کی وبا بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے۔اس وبا کو عام کرنے اور
پھیلانے میں ہماری بڑی بڑی درس گاہیں اور خانقاہیں بھی شامل ہیں۔اس آزاد
خیالی کے ماحول میں صاحبِ کتاب کی ذات کو حق وصداقت کی ایک معتبر آواز سے
تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔آپ نے حالیہ چند برسوں میں اُٹھنے والے ہر فتنے کا
تعاقب کیا ہے اور مذہب ومسلک کے حوالے سے اٹھنے والے ہر سوال کا دلائل کی
زبان میں جواب دیا ہے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب کا خاندانی، علمی، مسلکی
اور مشربی ہر شجرہ بڑا محترم، بڑا معظم اور بڑا مضبوط ہے۔ان کے کسی بھی شجرہ پر کسی کو
کبھی بھی انگلی رکھنے کی جرأت نہ ہوگی۔ان کے علمی، مشربی مسلکی شجرے میں تاج
الشریعہ حضرت مولانا مفتی اختر رضا خاں ازہری، تحسین ملت حضرت مولانا مفتی
تحسین رضا خاں محدث بریلوی، حضرت مولانا مفتی احسان علی مظفر پوری محدث
بہار، شیر بہار حضرت مولانا مفتی محمد اسلم رضوی، حضور مفتی اعظم ہند اور اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا قادری برکاتی علیہم الرحمہ کے اسماء شامل ہیں۔یہ وہ اسماء ہیں کہ اگر کسی
دروازے پر لکھ کر آویزاں کردیئے جائیں تو زمینی وآسمانی بلائیں دیکھ کر اُلٹے قدم
واپس ہوجائیں۔مذکورہ شخصیات کی نسبتوں نے ڈاکٹر صاحب کے دامن حیات کو علم
وعمل، عشق وعرفان اور جرأت وہمت کے جواہر پاروں سے بھر دیا ہے۔آپ جہاں
بھی رہتے ہیں عشق وعرفان کی سوغات بڑی فراخ دلی سے بانٹتے رہتے ہیں۔تیس
پینتیس سال سالوں سے آپ دینی، ملی، علمی اور دعوتی فرائض انجام دے رہے
ہیں۔آپ کے کچھ تلامذہ ایسے بھی ہیں جو استاذ العلماء کی حیثیت سے دیکھے جارہے
ہیں۔آپ کے تلامذہ میں محققین بھی ہیں، مدبرین بھی ہیں، مصنفین بھی ہیں اور درس
گاہوں کے مدرسین بھی ہیں۔

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب کی زیر نظر کتاب کا ہر
پیراگراف علمی زورِ استدلال، تحقیقی زورِ بیان اور معلومات رنگ وآہنگ لیے ہوا
ہے۔ہمیں اُمید ہے کہ ان کی دوسری تصنیفات وتالیفات کی طرح یہ کتاب بھی عوام
وخواص میں مقبولیت کی اپنی جداگانہ تاریخ بنائے گی۔رب کائنات انھیں دوجہاں
میں اپنی بے پناہ رحمتوں سے شادکام فرمائے۔آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم

ابوالعاکف

محمد رحمت اللہ صدیقی

مدیر اعلیٰ پیغامِ رضا، ممبئی حال مقیم دہلی

۱۰؍ربیع الآخر شریف ۱۴۳۵ھ ۱۱؍فروری ۲۰۱۴ء

اجمالی تعارف وکوائف

امام احمد رضا ایک ایسے دور میں رونق افزائے بزم عالم ہوئے جو دور ہندوستانی تاریخ کا بڑا انقلابی دور تھا، مذہب سے لے کر سیاست تک اور معیشت سے لے کر معاشرت تک ہر سطح پر عجیب اتھل پتھل مچی ہوئی تھی، پورا ملک نت نئے انقلابات اور تغیرات کی دھمک سے مدوجزر کا شکار تھا۔ ہر سورج حسرت ومسرت کی ملی جلی کیفیات کا نمائندہ بن کر طلوع ہوتا، اور اس کی پہلی کرن پورے دن کے طرب وکرب کے پیغام کا مقدمہ بن کر پوری ہندوستانی فضا پر چھا جاتی۔ اس بدلتے منظر نامے کو کچھ لوگ خوش آمدید کہہ رہے تھے تو کچھ لوگ قدیم افکار ونظریات کی کس مپرسی پر خون کے آنسو رو رہے تھے، ایسے اعصاب شکن دور میں جیسے مرد مجاہد صفدر وصف شکن وصف آرا کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا کی ذات کو ان تمام صفات سے مرصع فرمایا تھا، پھر وقت کی آنکھوں نے دیکھا کہ آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے وہ کچھ کر دکھایا جس کی حالات اور زمانے کو ضرورت تھی۔

ولادت وبشارت

آپ ایک ایسے خاندان کے چشم وچراغ ہیں جس خاندان کا ہر فرد اپنی جگہ پر علم وعمل کی کان تھا۔ آپ کے والد ماجد رئیس المفسرین حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں صاحب علیہ الرحمہ نے ایک خواب دیکھا، اپنے والد محترم حضرت علامہ مفتی رضا علی خاں صاحب علیہ الرحمہ سے بیان کیا جو خود تصوف وتفقہ میں درجۂ کمال پر فائز تھے انہوں نے یہ تعبیر ارشاد فرمائی۔ بہت مبارک خواب ہے بشارت ہو کہ پروردگار عالم

تمہیں ایک فرزند عطا فرمائے گا جو علم کے دریا بہائے گا جس کا شہرہ مشرق ومغرب میں پھیلے گا۔[1]

اپنے والد گرامی کی تعبیر خواب، مذہبی، سیاسی دنیا کا عظیم انقلاب، علم وفکر کا گل شاداب اور آسمان فضل وشرف کا آفتاب وماہتاب ۱۰ رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ بروز شنبہ بوقت ظہر مطابق ۱۴ رجون ۱۸۵۶ء کو احمد رضا کی شکل میں نور وسرور بار چمن گیتی ہوا آپ کا پیدائشی نام محمد، اور تاریخی نام المختار تجویز فرمایا[2] بعد میں آپ نے اپنے اسم شریف کے ساتھ عبد المصطفیٰ کا اضافہ فرمایا، چنانچہ اپنے نعتیہ دیوان میں لکھتے ہیں۔

خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ
تیرے لیے امان ہے تیرے لیے امان ہے [3]

اپنی تاریخ ولادت کی نسبت سے فرماتے ہیں کہ بحمد اللہ میری تاریخ ولادت اس آیت کریمہ میں ہے "اولئك كتب في قلوبهم الايمان وايدهم بروح منه" (۱۲۷۲ھ)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں رب العزت نے ایمان نقش فرمادیا ہے۔ اور اپنی طرف سے روح قدس کے ذریعے ان کی مدد فرمائی ہے۔[4]

عہد طفلی

اعلیٰ حضرت کا بچپن بہت ناز ونعم میں گزرا، فطری طور پر ذہین تھے، حافظہ بلا کا قوی تھا، جد امجد مولانا رضا علی خاں صاحب علیہ الرحمہ نے عقیقہ کے دن خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ یہ بچہ اپنے وقت کا فاضل وعارف ہوگا۔[5]

آپ کا عہد طفلی طہارت نفس، اتباع سنت، پاکیزہ اخلاق اور حسن سیرت کے اوصاف سے مزین تھا۔ آپ کی پیشانی کے انوار سے ستارہ اقبال کی درخشانی ہویدا تھی۔

دور تعلیم

امام احمد رضا کا دور تعلیم نوادرات کا مجموعہ ہے۔ اول تو آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی درسی کتاب پوری نہ پڑھائی۔ جب وہ دیکھتے کہ آپ مصنف کتاب کے طرز تحریر سے خوب واقف ہوگئے ہیں۔ اور اپنا سارا سبق مطالعہ میں نکال لیتے ہیں۔ تو سبق بند کر دیتے، اور دوسری کتاب شروع کرا دیتے، اس طرح وہ نہایت قلیل مدت میں تمام درسی کتابوں کے سمندر کو عبور کر گئے۔[6]

اپنی ولادت و فراغت بڑے ناز سے آپ نے بیان فرمایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ''یہ واقعہ نصف شعبان ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء کا ہے اس وقت میں تیرہ سال دس ماہ پانچ دن کا تھا اس روز مجھ پر نماز فرض ہوئی تھی اور میری طرف شرعی احکام متوجہ ہوئے تھے۔ اور یہ نیک فال ہے کہ بحمدہٖ تعالیٰ میری تاریخ فراغت کلمہ غفور ۱۲۸۶ھ ہے (بخشنے والا) اور تعویذ پناہ میں لینا ہے) بخشنے والے رب سے امید کی جاتی ہے کہ وہ مجھے بخشے گا، اور ہر مکروہ سے بچا کر اپنی پناہ میں لے گا، یونہی میری ولادت کی تاریخ المختار (۱۲۷۲) ہے (پسندیدہ) امید ہے رب کریم مجھے مقبول اور پسندیدہ فرمائے گا۔[7]

چودھویں صدی ہجری کا مجدد چودھویں سال میں تمام علوم وفنون کی دستار اپنے سر پر سجا کر اپنے گلے میں تجدید دین وملت کا پٹہ ڈال کر پورے عالمانہ اور مجددانہ عزوجاہ کے ساتھ میدان فکر وعمل میں اتر گیا۔ سند فراغت حاصل کرنے کے بعد اسی دن ایک رضاعت کا مسئلہ لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا، جواب بالکل صحیح تھا والد صاحب نے آپ کی فراست وذہانت دیکھ کر اسی دن فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد فرما دیا۔[8]

اس طرح عنفوان شباب ہی میں آپ مفتی صاحب ہوگئے۔ اور مرکزی دار الافتا کی ذمہ داری سنبھال لی۔ واضح رہے کہ امام احمد رضا کا علمی کمال جس کو دیکھ کر دنیا کی یونیورسٹیاں محو حیرت ہیں صرف آپ کے اپنے گھر کی دین ہے یا فیضان نظر کا کرشمہ ہے۔

خدمات جلیلہ

یوں تو آپ نے پوری آن بان کے ساتھ بحیثیت چودھویں صدی کا مجدد اصلاح فکر وعمل کے تمام فرائض انجام دیے ۸۴۴ شعور زا اور علم فزا کتابیں تصنیف کیں۔ بیسیوں مردہ سنتیں زندہ کیں۔ سیکڑوں بدعتیں مٹائیں اور کتنے فتنے اپنے ناخن تدبیر سے ملیا میٹ کئے تاہم سب سے بڑھ کر جو مسلم الثبوت کارنامہ انجام دیا ہے وہ یہ ہے کہ پوری قوت کے ساتھ حق وصداقت کا آوازہ اور تحفظ ناموس الوہیت ورسالت کا نعرہ آپ نے بلند فرمایا، توہین وتحقیر الوہیت ورسالت کی ہر آندھی کے سامنے قابل تسخیر چٹان بن کر ڈٹ گئے۔ آپ کے عزم وحوصلہ کے کوہ طور سے جو بھی باطل فکر ٹکرائی پاش پاش ہوگئی۔ اپنی شہرت ومقبولیت کو داؤ پر لگا کر عزت وعظمت خدا و مصطفیٰ کا جھنڈا ایسا بلند کر دیا کہ آج تک فضائے بسیط میں لہرا رہا ہے اور چوں کہ اس میں خلوص دل کا عرق شامل ہے اس لیے لہراتا ہی رہے گا۔ جس ڈھنگ کا طوفان بے ادبی وبدتمیزی اٹھا تھا اگر اس کے منہ زور سیلاب کے سامنے آپ سد سکندری نہ بن گئے ہوتے تو آج کشتیٔ ملت کا نہ معلوم کیا حال ہوتا مگر آپ نے ہمت کی، عنایت ربانی نے آپ کی دستگیری فرمائی اور قیامت تک کے لیے تعظیم وتکریم کا نہ ٹوٹنے والا بندھ آپ نے باندھ دیا۔ ویسے حوصلہ ربا عالم میں آپ نے جوش باہوش کا مظاہرہ فرمایا اور تمام دینی ودنیوی سرفرزایوں کا منبع صرف عشق مصطفیٰ کو قرار دے کر وفور اخلاص کے ساتھ مومنوں کے دلوں میں عظمت ومحبت مصطفیٰ کا

نقش جمایا۔ان کا یہ احسان عظیم اہل وفا،خوش عقیدہ مسلمان آج بھی بھولے نہیں ہیں۔خراج عقیدت کے طور پر آپ کو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں اور ہدیہ سلام پیش کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:۔

ڈال دی قلب میں عظمت مصطفےٰ　　　سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

میرا اپنا ایک شعر ہے:

عظمت سرکار کا ڈنکا بجایا ایسا کہ　　　بج رہا ہے چار سو ڈنکا تمہارا واہ واہ!

آپ کا مسلک

کسی بھی شخصیت کے افکار وآرا اس شخصیت کا آئینہ ہوتے ہیں جس میں اس شخصیت کے علم وعمل اور عشق کی روح کو مشخص دیکھا جا سکتا ہے،اسی سے اس شخصیت کے داخلی جذبات وعوامل کا پتا چلتا ہے،افکار وآرا کا چہرہ جتنا صاف ہوتا ہے وہ شخصیت بھی آئینہ قوم وملت میں اتنی ہی ستھری اور نکھری ہوتی ہے۔یہ نظریات وتصورات ہی کی واضح برکات ہیں کہ کسی کسی شخصیت سے تو پورا دینی اثاثہ اور اسلامی سرمایہ منسوب ہو جاتا ہے،جیسے معین الملت والدین حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ والرضوان نے سید الشہداء،سرکار امام حسین شہید کرب وبلا کو دین پناہ ہی نہیں بلکہ سراپا دین کہا ہے،آپ کے مشہور قطعہ کا مصرع ہے:۔

دین ست حسین دیں پناہ ست حسین

چودھویں صدی ہجری میں افکار اہل سنت کو وہابیت کی کڑکتی بجلی سے بچانے کے لیے جس شخص نے اپنے آپ کو ڈھال بنا کر پیش کیا تھا،جب طوفان چھٹا تو اکابر واصاغر نے اس کے اس احسان کو یاد کرتے ہوئے حسب روایات سابقہ حال میں خدمات کے اعتراف اور مستقبل میں دین وسنیت کی حفاظت کے تصور سے پورا دینی اسلامی سرمایہ اس ذات کی طرف منسوب کر دیا،یہی وہ خاص منزل ہے جہاں

سے ’مسلک اعلیٰ حضرت کی‘ اصطلاح نے جنم لیا۔وفورِ مسرت میں اکابر واسلاف نے مسلک اعلیٰ حضرت کا وہ نعرہ لگایا کہ اب تک اس کی گونج سنی جا رہی ہے۔امام احمد رضا کو اپنے اکابر واسلاف سے کیسی قلبی الفت اور دلی محبت تھی،وہ اپنے بزرگوں کی بارگاہ میں کیسے تھے،وہ جو کچھ تحریر فرماتے تھے اس میں بزرگوں کے افکار کی روح کیسی سمائی ہوتی تھی حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

”اعلیٰ حضرت غوث اعظم کے ہاتھ میں ایسے تھے چوں قلم در دست کاتب“

(قاری کا امام احمد رضا نمبر)

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے جتنا بھی اور جو کچھ بھی لکھا ہے وہ سب کا سب حضور غوث اعظم کی مرضی سے لکھا ہے،غوث اعظم نے جب چاہا تب لکھا ہے۔اور جتنا چاہا اتنا لکھا ہے۔اور جتنا لکھا ہے ان تمام کے مجموعہ ہی کو مسلک اعلیٰ حضرت کہا،بولا اور لکھا جاتا ہے،تو حضور محدث اعظم ہند کی تحریر کی روشنی میں یہ امر متحقق ہو گیا کہ مسلک اعلیٰ حضرت مسلک غوث اعظم ہے،یعنی مسلک غوث اعظم ہی مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔

آپ کے افکار ونظریات کا خلاصہ دو جملوں میں حضور ملک العلماء یوں بیان فرماتے ہیں:

”شریعت میں وہ اگر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قدم بہ قدم ہیں تو طریقت میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے نائب اکرم ہیں۔[9] ظاہر ہے جو حضور امام اعظم اور غوث اعظم رضی اللہ عنہما کے افکار وانظار کا نقش جمیل ہو وہ کسی نئے نظریے کا بانی کیسے ہو سکتا ہے،اپنے اسلاف کے نظریات وخیالات کو ہی انھوں نے پوری زندگی پھیلایا،اپنی ہر تقریر وتحریر کا نصب العین بنایا،اپنے قول وعمل سے اس کی حفاظت وخدمت کی۔اور اس شدت کے ساتھ طریقۂ اسلاف کی پیروی وپابندی کی کہ مولانا سید سلیمان ندوی کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ:

"تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی پرانی روش پر قائم رہا اور
اپنے کو اہل السنۃ کہتا رہا، اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں
کے علما تھے۔" ۱۰؎

کہتے ہیں حق وہ ہے سر چڑھ کے بولے مولانا سید سلیمان ندوی جیسے کٹر حریف
بھی اپنے دور کا مذہبی پس منظر بیان کرتے ہوئے برملا یہ اقرار کرتے ہیں کہ جو لوگ
اہل سنت تھے وہ شدت کے ساتھ اپنی پرانی روش یعنی طریقۂ اسلاف پر قائم تھے
اس جماعت کے زیادہ تر پیشوا بریلی اور بدایوں کے رہنے والے علماء تھے۔ بریلی
کے علما میں اعلیٰ حضرت ہیں، ان کے والد مولانا نقی علی خاں میں اور ان کے دادا
مولانا رضا علی خاں میں، بدایوں کے علما میں شاہ فضل رسول بدایونی ہیں۔ شاہ عبد
القادر بدایونی ہیں وغیرہم۔ صاف معلوم ہوا کہ ہم کو اپنے بزرگوں کی مبارک حیات
سے یہی درس ملا ہے کہ مذہب اہل سنت پر شدت سے قائم رہنے کی ضرورت ہے
اور اس شدت کو اپنانے کے لیے اپنے بزرگوں کی روش حیات کا دامن مضبوطی سے
تھامنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ کہ مسلک میں شدت ہی اہل سنت کا نشان امتیاز
ہے، تاہم کتنی حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ آج کچھ لوگوں کو یہ شدت جو قرآن
وحدیث اور اسلاف کی مطلوب ومحمود شدت ہے، ایک آنکھ نہیں بھاتی، وہ سب سے
رواداری کی بات کرتے ہیں، ہمارے شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ عرف ابو میاں
(الہ آباد) کے دورۂ مصر پر شیخ محمد احمد الخذری نے شاہ صاحب سے ملاقات اور
تبادلۂ خیالات پر جو تاثر پیش کیا ہے وہ دیدۂ عبرت سے پڑھنے کے لائق ہے:

"ہندوستان میں اہل سنت کا ایک طبقہ بہت متشدد ہے، شیخ ابو سعید اعتدال و
وسطیت کے نمائندہ ہیں" (ماہنامہ سنی دعوت اسلامی ممبئی، اپریل ۲۰۱۳)

صاف ظاہر ہے کہ شاہ سلیمان ندوی نے جس شدت کو اہل سنت کی علامت اور
اسلاف کی روش کہا ہے شاہ ابو سعید اس علامت اور روش سے ہٹ کر کسی نئے

مسلک، مسلک اعتدال کے نمائندہ ہیں۔ اگر مسلک اہل سنت سے شدت ہٹا دیا
جائے تو صاف مطلب ہوگا کہ وہ مسلک جس میں سب سے مل جل رہنے، سب کے
ساتھ اٹھنے بیٹھنے، سب سے دوستی اور مدارت برتنے کی دعوت دی جائے، فیصلہ ہم
قارئین کے حوالے کرتے ہیں کہ اگر سب کے ساتھ معاشرت وموالات رکھنے کا نام
مسلک اعتدال ہے تو پھر صلح کلیت کیا ہے؟

حق یہ ہے کہ تمام مسالک میں جو مسلک تنہا افراط وتفریط سے یکسر پاک ہے وہ
صرف مسلک اہل سنت وجماعت ہے لہٰذا مسلک اہل سنت ہی مسلک اعتدال ہے
اور اکابر ومشائخ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ عصر حاضر میں مسلک اعلیٰ حضرت
ہی مسلک اہل سنت ہے۔ لہٰذا مسلک اعلیٰ حضرت ہی مسلک اعتدال ہے، وہ
مسلک، مسلک اعتدال ہو ہی نہیں سکتا جس میں عشاقان رسول اور گستاخان رسول
سب کو ایک نظر سے دیکھا جائے، سب سے گھال میل کی بات کی جائے اور صریح
گستاخی کرنے والے اور ان کے وارثین کی تکفیر سے لجایا، شرمایا اور کف لسان کیا
جائے، جیسا کہ شاہ ابو سعید احسان اللہ صاحب کی سرپرستی میں نکلنے والے ماہنامہ
"خضر راہ" مئی ۲۰۱۳ء کے صفحہ نمبر ۱۰ کی اختتامی سطروں میں ہے:

"اس وقت کسی فرد کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اور نہ ہی ہم تاویل کرنے والوں
کی تکفیر کریں گے۔"

جب کہ ۱۴ سو سالہ اسلامی تاریخ کی مسلسل یہ روایت رہی ہے کہ جب بھی کسی
نے ضروریات دینی سے کسی دینی ضرورت کا انکار کیا ہے تو اس وقت کے علما و مشائخ
نے فوراً نوٹس لیا ہے اور اتمام حجت کے بعد شرعی حکم صادر فرمایا ہے۔ ابھی زیادہ
سال نہیں گزرا کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" پر علمائے دہلی،
جن کے سربراہ علامہ فضل حق خیر آبادی تھے، انہوں نے دہلی کی جامع مسجد میں
مصنف کتاب سے شرعی مواخذہ فرمایا اور جواب باصواب نہ ملنے پر ان ۱۷ مفتیان

کرام نے کفر کا فتویٰ دیا اور یہاں تک تحریر فرمایا کہ ’من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر۔ (تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ، علامہ فضل حق خیرآبادی)

جب اعلیٰ حضرت کے دور میں مولانا قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس کے ذریعہ حضور کے آخری نبی ہونے کا انکار کرکے، مولانا اشرف علی تھانوی نے حفظ الایمان میں حضور کے علم غیب کی کھلی توہین کرکے، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ میں حضور کے علم پر شیطان کے علم کی برتری دکھا کر کے اور مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کرکے مسلمات وضروریات دین کی مضبوط فصیل میں شگاف ڈالنے کی جرءت وجسارت کی تو عرب وعجم کے ۲۶۸ مفتیان کرام مشائخ عظام نے پھر اسی جملہ کو دہرایا اور برجستہ تحریر فرمایا من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر فتویٰ حسام الحرمین انہیں برجستہ حقائق کا ایمانی مرقع ہے، آج بھی اپنے دین وایمان کی سلامتی وحفاظت کے لیے اس مبارک فتویٰ کی تائید وتصدیق ضروری ہے اور یہ سلسلہ انشاء اللہ قیام قیامت تک چلتا ہی رہے گا، اپنے ان اکابر واسلاف کی روشن راہ سے ہٹ کر الگ ڈگر اپنانا اپنے ایمان وعقیدے کے ساتھ سراسر ظلم ہے کہ ان کی راہ ہی راہ نجات اور صراط مستقیم ہے، کہاں تو اکابر واسلاف کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضور تو پھر حضور ہیں، حضور کے جوتا شریف کی تعظیم ضروریات دین سے ہے اگر کوئی ادنیٰ توہین کرے گا تو کافر ہو جائے گا (شفا شریف) اور کہاں یہ انحرافی جملہ کہ

’’اس امت کے کسی فرد کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ہم تاویل کرنے والوں کی تکفیر کریں گے۔‘‘

جس سے چودہ ساڑھے چودہ سو برس کے قائدین اسلام کے نظریے سے اختلاف کا خون ٹپک رہا ہے، اور نام مسلک اعتدال ہے ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

گردو پیش کی اس کشمکش کے تناظر میں مجلہ الاحسان مارچ ۲۰۱۳ کے حوالے

سے، فاضل بغداد مشہور اسلامی اسکالر مولانا انیس عالم سیوانی (لکھنؤ) نے اپنی آئینہ حق کتاب میں شاہ ابو میاں کو مخاطب کرکے حالات، معاملات، نظریات اور ان چیزوں کے بطن میں خفیہ مضمرات کا بڑی فراخ دلی سے مدبرانہ جائزہ لیا اور مخلصانہ مشورہ پیش کیا ہے۔

’’آدمی کو اگر تھوڑی عزت ملے تو اس پر صابر وشاکر رہنا چاہیے۔ بلاوجہ سبب نزاع بننا عقل مندی نہیں اور ہمت کرکے اپنی حقیقت سب پر ظاہر کر دینی چاہیے، آدھا ادھر آدھا ادھر دین داری نہیں، تقیہ ہے۔ اعمال خواہ جیسے ہوں عقائد کی درستگی کے بغیر ان کی کوئی قدر نہیں آپ کا معاملہ تو عجیب وغریب ہے کہ خدا اور رسول کے محبوبین بھی آپ کے محبوب ہیں اور اللہ ورسول کے گستاخوں سے بھی آپ کا قلبی لگاؤ ہے۔ یہ کون سا تصوف ہے؟ (آئینہ صلح کلیت، ۲۷)

مسلک اعلیٰ حضرت کی سب سے بڑی خوبی جو اس کے اللہ اور اس کے پیارے رسول کے نزدیک پسندیدہ مسلک ہونے کی واضح دلیل ہے اور وہی اس کے تاج سر کا طرہ افتخار۔ نیز دیگر مسالک کے بیچ تمغۂ امتیاز ہے وہ ہے اس کا تصلب، یہ تصلب ہی اس کا عرفان بھی ہے اور تشخص بھی اور دین حق اور عقائد حقہ میں تصلب مقبولیت کی علامت ہے۔ (سراج العوارف)

یہی وہ مسلک ہے جو اسلاف کے تابندہ نقوش کا سچا شارح وناشر بھی ہے اور مبلغ ومحافظ بھی۔ عصر حاضر سے لے کر عہد صحابہ تک جس سلسلۃ الذہب کی تمام کڑی مضبوط، محفوظ اور آپس میں مربوط ہے۔ اسی وجہ سے یہ مسلک صحابہ وتابعین، سلف صالحین، ائمہ مجتہدین، اولیائے کاملین کے مشن میں ذرا سی ڈھیل برداشت نہیں کرتا۔ غلط روی پر ٹوکتا، آزاد خیالی پر بند لگاتا، اور کج فکری پر شرعی، تحقیقی نوٹس لیتا ہے۔ اگر یہ بے باک تحفظ، بے لاگ انتباہ کا بروقت مظاہرہ نہ کرے تو لوگ دین کا اصلی چہرہ مسخ کرکے رکھ دیں۔ فکر اسلاف سے ہٹ کر افکارِ نو کا ملغوبہ مسلک اعتدال

کا نعرہ لگانے لگیں، براہو جدیدیت کی چکا چوند کا جس نے اچھے اچھے محل کو ہلا کر رکھ دیا ہے جس کے نتیجے میں مسلک اعلیٰ حضرت کے صالح وصحت منداور فولادی جسم کو آزاد خیالی کا ناگ مختلف حربے اور بہانے کا سہارا لے کر ڈسنے کی فکر میں ہے۔اب لوگوں کو شدت نہیں سہولت چاہیے۔عزیمت نہیں رخصت چاہیے ، پابندی نہیں آزادی چاہیے،اس آزادی کے حصول کے لیے وہ ایسی ایسی حرکت مکروہی وجرأت مذبوحی پر تلے ہیں کہ ان کے ماضی پران کا حال شرمندہ اوراشک فشاں ہے۔

اس فہرست میں ایسے ایسے اشخاص،اورایسی ایسی خانقاہوں کے نام دیکھنے کو مل رہے ہیں کہ تھوڑی دیر تک عجب گومگو کی کیفیت رہتی ہے۔بدیہیات مشاہدات نظر کا دھوکہ معلوم ہوتے ہیں۔مگر ثبوت و دلائل کے انبار ایقان واذعان کی منزل میں لے ہی آتے ہیں۔مسلک اعلیٰ حضرت حق کا ایک ایسا آئینہ،صداقت کا ایسا معیار اور احقاق حق کی ایسی ٹھوس علامت ہے کہ یہاں،نہاں،عیاں ہو ہی جاتا ہے۔مضمرات مظہرات کی گرفت میں آ ہی جاتے ہیں،اسی لیے ان لوگوں نے پہلے مسلک اعلیٰ حضرت ہی کی اصطلاح پر ضرب لگانے کی کوشش کی۔اسے غیروں کا دیا ہوا نام کہا۔محافل ومجالس میں اس نعرہ پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا،مسلک اعلیٰ حضرت نہ بولنے اور نہ لکھنے کی تحریک چلائی، یہ سب آنے والے وقتوں میں آزادی کے دفینے سے من پسند خزینے حاصل کرنے کی فکر میں کیا گیا۔مگر الحمد للہ! ابھی رضا کے غلامان باوفا زندہ ہیں،فدایان سرکار مفتیٔ اعظم سلامت ہیں، جاںنثاران اکابر اہل سنت موجود ہیں،ماضی قریب کی تاریخ شاہد ہے کہ دیوانگان مصطفےٰ نے بے سروسامانی کے عالم میں خلوص دل کا وہ ساز وسامان پیش کیا جس کی دھمک سے آزاد خیالی کے گھروندے مسمار ہونے لگے، چند مٹھی بھر دیوانوں نے ہوش ٹھکانے لگا دیے۔ہوا کا رخ بدل دیا،کاخ آزادی کی چولیں ہل گئیں،اضطراب ایسا چھایا کہ سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے،ایسے میں چاہیے تو یہ تھا کہ وہ پھر اپنا فکری

قبلہ درست کر لیتے۔مسلک اعلیٰ حضرت کے متحدہ پلیٹ فارم پر جمع ہو جاتے۔مگر یہ حقیقت بھی سر چڑھ کے بولتی ہے کہ جو مسلک اعلیٰ حضرت کو آنکھ دکھاتا ہے اور اس سے ذرا بھی ہٹتا ہے، اعتقادی وعملی بدعت اس سے سٹ اور چمٹ جاتی ہے۔پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ بدعات وخرافات اور لغویات وفضولیات کے دلدل میں پھنسا چلا جاتا ہے۔یقین نہ ہو تو ہمارے مولانا یٰسین اختر مصباحی جیسے قلم کار کے قلم سے یہ صلح کلیت کا داعی جملہ نکلے۔

’’آج کل لوگ قلت علم ومطالعہ اور ناقص تجربہ مشاہدہ کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جب تک اپنے بیان وخطاب کے ذریعے کسی فرقۂ باطلہ کے اساطین کو بار بار خبیث مردود، کافر ومرتد نہ کہا جائے اس وقت تک رد فرقہ باطلہ کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا (عرفان مذہب ومسلک، ص ۱۱)‘‘

تعجب ہے! موصوف کا یہ جملہ ہمارے پیش کردہ معروضے کے ثبوت کے لیے آئینۂ حق نما ہے تو ان کی دل خراش تحریر کی صرف ایک قاش ہے۔ان کی بہکی باتوں اور مسلک متصادم نظریوں کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔اس اقتباس سے بدعقیدوں سے ہمدردی کا جو خمار ٹپک رہا ہے وہ تو ہے ہی۔علمائے اہلسنت جن کو ردِ عقائد باطلہ اپنے اکابر سے ورثے ملا ہے کو قلیل العلم، ناقص التجربہ والمشاہدہ کہنا یہ کتنی بڑی ڈھٹائی ہے۔جب کہ فرق باطلہ کا ردان کے استاذ گرامی حضور حافظ ملت، اور مرشد طریقت سرکار مفتی اعظم ہند کا شیوہ وطیرہ اور ان کے فکر وعمل کا خاص موضوع رہا ہے۔شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں رحمہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

’’دین حق ومذہب حق کی حمایت حقہ کا بقدر ضرورت بشرط استطاعت فرض اہم ہونا تو ضروریات دینیہ سے روشن اور قرآن وحدیث میں مبرہن ہے۔حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد ہے تولا بے تبرا نیست ممکن، یعنی جب تک خدا ورسول جل جلالہٗ

وصلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی نہ رکھی جائے، اس وقت تک خدا اور
رسول ﷺ کی محبت حاصل ہی نہیں ہوسکتی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ
اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ دینی معاملے میں چشم پوشی کرنا اور جو باتیں شرعاً ناجائز
وناپسندیدہ ہیں۔ان کو دیکھتے سنتے ہوئے بھی تعصب نہ کرنا۔اور اپنے دین کے
معاملے کو اہمیت نہ دینا اور دین وشریعت کا جو حق واجب ہے اس کے درگزر کرنا یہی
مداہنت ہے۔(ردصلح کلیت،۵۱۸)

آگے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت ارشاد فرماتے ہیں، ہمیشہ علمائے اہل سنت نے
بدمذہبی، وبدمذھبیاں کے ردو تفضیح کو اہم مقصد سمجھا،(ایضا،۵۵۴)

ایک طرف تو اساطین اہل سنت کے یہ جھنجھوڑ دینے والے ارشادات اور دوسری
طرف مصباحی صاحب اور ان کے زیر حمایت فروغ پانے والے ہمارے ایک صوفی
صاحب کے دین بیزار بیانات وحالات، پتہ نہیں کہ سنیت کے علم برداروں اور حق
کے دعوے داروں کو کیا ہوگیا ہے کہ جانتے سمجھتے ہوئے بھی اپنے افکار واعمال کو صلح
کلیت کی صلیب پر چڑھا رہے ہیں اور اس پہ تجاہل عارفانہ یہ کہ: خوشم برزندگیٔ خویش
کہ کارے کردم۔

رحمتوں کی موسلا دھار بارش برسے امام اہل سنت کی قبر مبارک پر کہ اہل سنت
وجماعت کے عقائد ہوں یا معمولات ہر موضوع پر انھوں نے قلم اٹھایا اور کتاب
وسنت ائمہ دین، فقہائے اسلام کے ارشادات کی روشنی میں پایہ ثبوت تک پہنچایا ان
کی کوئی بھی کتاب اٹھائیے، ہر کتاب میں آپ کو یہی انداز نظر آئے گا۔ایک لمحہ کے
لیے بھی طریقہ صالحین کا دامن ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا شیخ الاسلام حضرت مولانا
سید مدنی میاں صاحب قبلہ کچھوچھوی رقم طراز ہیں۔

”غور فرمائیے کہ فاضل بریلوی کسی نئے مذہب کے بانی نہ تھے۔ازاول تا آخر
مقلد رہے۔ان کی ہر تحریر کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کی صحیح ترجمان رہی۔نیز

سلف صالحین وائمہ مجتہدین کے ارشادات اور مسلک اسلاف کو واضح طور پر پیش کرتی
رہی۔وہ زندگی کے کسی گوشے میں ایک پل کے لیے بھی سبیل مؤمنین صالحین سے
نہیں ہٹے۔[۱]

حضرت شیخ الاسلام کا یہ اقتباس ان تمام خدشات وتوہمات کی بیخ کنی کررہا ہے
جس کی کاشت کچھ لوگوں نے کسی غبار خاطر کی وجہ سے اپنے تخیل کی وادی غیرذی
زرع میں کی ہے اور انجام سے بے پرواہ ہوکر مسلکِ اعلیٰ حضرت پر انگشت نمائی
کرتے نظر آرہے ہیں، موصوف کے اقتباس سے صاف مترشح ہے کہ اعلیٰ حضرت
امام احمد رضا کسی نئے مسلک کے موجد نہیں ہیں بلکہ اپنے گفتار وکردار سے ارشادات
اسلاف کو انھوں نے آشکار کیا ہے۔گردشِ ایام سے چڑھی ہوئی خس وخشاک اور مرور
زمانہ سے پڑی ہوئی گرد وغبار سے افکار صالحین کا رخ زیبا انھوں نے صاف کیا
ہے۔استاذ العلما بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی نے عہد رضا
کے مذہبی حالات اور اعلیٰ حضرت کی خدمات کا مورخانہ جائزہ لیتے ہوئے منصفانہ
انداز میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ قول فیصل کا درجہ رکھتا ہے آپ یوں گہر ریز ہیں۔

”اس وقت امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی
رحمت اللہ علیہ نے قدیم مذہب اہل سنت وجماعت کا بیڑا اٹھایا اور اپنے علم
وقلم کے زور سے ہر مورچہ پر ان گمراہوں کا منہ توڑ دیا۔پورے ہندوستان
کے سنی مراکز نے بھی امام احمد رضا خاں صاحب کی اس دینی خدمت کو محسوس
کیا اور موجودہ گمراہوں سے اہل سنت وجماعت کو ممتاز کرنے کے لیے امام
احمد رضا کی ذات کو سنیت کی علامت قرار دیا اور مسلک اہل سنت وجماعت
ان سے منسوب کیا۔ہمارے اسلاف کو اپنے اس عمل میں کوئی خرابی نظر نہیں
آئی کہ مسلک اہل سنت وجماعت کو امام احمد رضا کا مسلک کہیں کیوں کہ
اسلام کی یہی تاریخ رہی ہے کہ ہر زمانے میں جب باطل پرستوں نے

مسلمان بن کر گمراہی پھیلانی چاہیے تو علمائے اسلام نے اس عہد کے کسی ایسے عالم دین کو جو سچے مذہب اسلام کا مکمل نمائندہ تھا مسلک یا مذہب یا اس کے ہم معنیٰ الفاظ کو اس کی طرف نسبت کر کے امتیاز حق وباطل کی ایک زندہ اور پائندہ مثال ان کے سامنے کر دی۔‘‘ ۱۲؎

خوب روشن ہو گیا کہ مسلک اعلیٰ حضرت آج کے اس پرفتن دور کی اہم ضرورت ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت سنیت کی علامت ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت حق وباطل کے درمیان خط امتیاز ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت مسلک اہل سنت وجماعت کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت اور مسلک اہل سنت وجماعت میں کوئی دوئی نہیں ہے بلکہ ایک ہی حقیقت کا دو نام یا ایک ہی سکے کی دو تصویر ہے اور یہ تحفہ ہم کو ہمارے اسلاف سے ورثہ میں ملا ہے لہٰذا مسلک اعلیٰ حضرت پر تنقید صراط مستقیم پر تنقید ہے۔ اسوۂ اسلاف پر تنقید ہے اور ظاہر ہے اسوۂ اسلاف پر تنقید حمیت فروشانہ احسان فراموشانہ اور عاقبت نا اندیشانہ حرکت وعمل ہے قاضی القضاۃ مکہ مکرمہ فضیلۃ الشیخ حضرت سید محمد علوی مالکی مکی تحریر فرماتے ہیں۔

حُبُّهٗ عَلَامَةُ السُّنَّةِ وبُغْضُهٗ عَلَامَةُ الْبِدْعَةِ (اعلیٰ حضرت) کی محبت سنیت کی علامت اور ان سے بغض علامت بدعت ہے (دبستانِ رضا ص ۱۴۸)

علم، عمل، عشق

علم آدمی میں یقین، عمل، اعتماد اور عشق قوت فولادی عطا کرتا ہے آدمی علم سے نکھرتا ہے عمل چمکتا اور عشق سے جاوداں ہوتا ہے ان تینوں میں کسی خوبی کا بھی اگر کوئی شخص حامل ہو جائے تو وہ پوری صف میں ممتاز ہو جاتا ہے اس شخصیت کی امتیازی شان کا کیا کہنا جس میں یہ تینوں خوبیاں بیک وقت اور بدرجہ اتم موجود تھیں امام احمد رضا کی زندگی کا یہی وہ درخشندہ رخ ہے جو ہمارے اس مقالہ کا محرک بنا ہر

ایک کی قدرے تفصیل تو اصل کتاب میں ملاحظہ کیجئے، یہاں سرسری طور پر صرف جھلکیاں دیکھا کر ہم گزر جائیں گے۔ اور صرف دو نکتہ علم وعمل کو زیر بحث لانے کی فکر کریں گے ان کے جلوۂ عشق کے ملاحظہ اور مشاہدہ کے لیے ہماری ضخیم کتاب ’’امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ‘‘، اور چھوٹی ’’عاشق مصطفیٰ‘‘ کا مطالعہ کریں۔

علم

امام احمد رضا کی علمی ہمہ گیری اور فکری گہرائی کا زمانہ معترف ہے اور یہی وہ تنہا شخصیت ہیں جن کے علم وعمل اور عشق پر بلا لحاظ مکتبہ فکر سب نے اظہارِ خیال اور اعتراف حقیقت کیا ہے اور کھل کر کیا ہے مولانا سید سلیمان ندوی امام احمد رضا کے علم کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

’’اس احقر نے جناب مولانا احمد رضا صاحب بریلوی کی چند کتابیں دیکھیں تو میری آنکھیں خیرہ کی خیرہ رہ گئیں حیران تھا کہ واقعی مولانا بریلوی صاحب مرحوم کی ہیں جن کے متعلق کل تک یہ سنا تھا کہ وہ صرف اہل بدعت کے ترجمان ہیں اور صرف چند فروعی مسائل تک محدود ہیں مگر آج پتا چلا کہ نہیں ہرگز نہیں یہ اہل بدعت کے نقیب نہیں بلکہ یہ تو عالمِ اسلام کے اسکالر اور شاہکار نظر آئے ہیں جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے اس قدر گہرائی تو میرے استاذ مکرم جناب مولانا شبلی صاحب اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی اور حضرت مولانا شیخ التفسیر شبیر احمد عثمانی کی کتابوں کے اندر بھی نہیں جس قدر مولانا بریلوی کی تحریروں کے اندر ہے۔‘‘ ۱۳؎

یہ بات ہمارے وطن عزیز ہندوستان کے لیے باعث فخر ہے کہ امام احمد رضا ہندوستانی نژاد ہیں ہندوستانی اسکالر ہیں اور کمال یہ کہ اپنے گھر سے باہر کسی اور

یونیورسٹی کے پروردہ اور تعلیم یافتہ نہیں پھر بھی جو علمی وسعت اور فکری رنگارنگی آپ میں موجود تھیں اسے دیکھ کر تو یہی کہنا پڑتا ہے کہ ایں سعادت بزور بازو نیست جو علمی تعمق، فکری تبحر اور منطقی تخیل اللہ تعالیٰ نے انہیں بخشا تھا ان صفات کی جامع شخصیت روز روز نہیں صدیوں بعد رونما ہوتی ہے ہندوستان اور ہر ہندوستانی کو حق ہے کہ ایسی جامع کمالات ذات پر ناز کرے اور پورے فخر کے ساتھ دنیا کے عظیم سے عظیم مفکر کے مقابلے میں امام احمد رضا کا کام اور نام پیش کرے تقابلی جائزہ لے اور دل کی اس آواز کو نوٹ کرے کہ

ایسا کہاں سے لائیں کہ ان سا کہیں جسے

امام احمد رضا کے وصال پر ذرا یہ تاثراتی نوٹ دیکھئے:

مولانا فخر الدین مرادآبادی لکھتے ہیں مولانا احمد رضا سے ہماری مخالفت اپنی جگہ تھی مگر ہمیں ان کی خدمت پر بڑا ناز ہے غیر مسلموں سے ہم آج تک بڑے فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے تھے کہ دنیا بھر کے علوم اگر کسی ایک ذات میں جمع ہوسکتے ہیں تو وہ مسلمان ہی کی ذات ہوسکتی ہے دیکھ لو مسلمانوں ہی میں مولوی احمد رضا خاں کی ایسی شخصیت آج بھی موجود ہے جو دنیا بھر کے علوم میں یکساں مہارت رکھتی ہے ہائے افسوس کہ ان کے دم کے ساتھ ہمارا یہ فخر بھی رخصت ہوگیا (معارف رضا کراچی، ۱۹۹۱ء ص ۲۶۱) امام احمد رضا بظاہر ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئے مگر دنیا بھر کے علوم وافکار پر ایسی ایسی نادر تصنیفیں یادگار چھوڑ گئے کہ قیامت تک لوگ ان پر فخر کرتے رہیں گے۔

عمل

جس طرح امام احمد رضا کا علم میں کوئی جواب نہ تھا وہ تنہا صدی پر بھاری تھے

اسی طرح ان کے عمل کا بھی کوئی جواب نہ تھا بس یہ سمجھ لیجئے کہ ان کا ہر کام کتاب وسنت کے احکامات کی چلتی پھرتی تصویر تھا، شریعت غرا کی ایسی پابندی آپ نے فرمائی ہے کہ محسوس یہ ہوتا ہے کہ آپ کی طبیعت وفطرت ہی شریعت وسنت کا آئینہ بن گئی تھی۔ اس پر پابندی میں آپ نے سرمو کسی کی رعایت نہ فرمائی اپنے زمانے کا عالم یگانہ ہے علمی شہرت کا طوطی بول رہا ہے لیکن اگر ان کا قلم یا زبان لغزش فکر وبیان کا شکار ہوئی ہے۔ تو امام احمد رضا نے احقاقِ حق کا فریضہ انجام دیا پہلے متنبہ فرمایا پھر دل سوزی وغم گساری کے ساتھ اصلاح وہدایت فرمائی اپنے دور کے مشہور پیر طریقت ہیں وسیع حلقہ ارادت وعقیدت ہے لیکن اگر کوئی ادا شریعت وسنت سے متصادم ومزاحم دیکھا تو امام احمد رضا نے وارث انبیا کا حق ادا فرمایا۔ ان مخلصانہ ومحسنانہ کوششوں کے باوجود اگر کوئی اکڑتا تو پھر آپ اپنی منصبی ذمہ داریوں سے انصاف کرتے ہوئے اتمام حجت کے بعد احکام شرع نافذ فرما دیتے۔ امام احمد رضا کی یہ مخلصانہ ادا بڑی نتیجہ خیز ثابت ہوئی، کتنوں نے بدعات ومنکرات سے توبہ کی، کتنوں کو راہ ہدایت نصیب ہوئی اور انہوں نے اپنے ایمان وعمل کا خزانہ لٹنے سے بچا لیا۔ اس وقت پوری دنیا پر امام احمد رضا کی اصلاحی کوششوں اور فلاحی جذبوں کی نوری چادر تنی ہوئی ہے ان کے بے لوث مساعی کے جلوے کہاں نہیں ہیں۔

اس ہمہ گیر محسوسات کے پیچھے میں سمجھتا ہوں کہ صرف دو باتیں ہیں، ایک تو یہ کہ امام احمد رضا کی اصلاحی کوششیں نام ونمود سے پاک اخلاص وایثار کے خمیر میں گوندھی ہوتی تھیں، اس لیے ایسی بلیغ اور موثر ہوتی تھیں کہ سامنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ نفوس احساس برتری کی آلائش سے پاک تھے، قلوب قبول حق کے جذبے سے آباد تھے، اس لیے جب احکام شرع سامنے آجاتے تو چشم بینا سے دیکھتے، گوش شنوا سے سنتے، اور دل حق پذیر اسے قبول کرتے، اور اپنے مصلح کا ممنون احسان ہوتے ہوئے اپنی حیثیت عرفی کا خیال کئے

بغیر احکام دین متین کے آگے سرنگوں ہو جاتے، امام احمد رضا کا یہی کہنا تھا کہ اصل
کار کردار وعمل سے شریعت کی حفاظت ہے، اور انہوں نے جو کہا وہی کیا اور جو کیا اس
کا برملا اعلان فرمایا۔ ان کے احکام شریعت کے نفاذ میں کسی کی رو ورعایت
، نزاکت ومصلحت کو ملحوظ نہ رکھنے کو بعض لوگوں نے شدت مزاج سے تعبیر بھی کیا۔ مگر
ان کے سامنے کتاب وحکمت، قرآن وسنت کے درخشندہ اوراق تھے۔ ان کی محنت
ومحبت اور تمنا وحسرت کی روح صرف رضائے مصطفٰے کا حصول تھی۔ فرماتے ہیں:

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑو درود

حضرت ملک العلما آپ کی جلوت وخلوت کے رازدار تحریر فرماتے ہیں:

"امام اہل سنت کی سب صفتوں میں ایک بہت بڑی صفت جو ایک عالم
باعمل کی شان ہونی چاہیے یہ تھی کہ آپ کا ظاہر وباطن ایک تھا، جو کچھ
زبان سے فرماتے اسی پر آپ کا عمل تھا، کوئی شخص کیسا ہی پیارا، کیسا ہی
معزز ہو، کبھی اس کی رعایت سے کوئی بات خلاف شرع وتحقیق نہ زبان
سے نکالتے۔ نہ تحریر فرماتے، مصلحت کا وہاں گزر نہ تھا۔"[۴۱]

امام احمد رضا کی اس حق بینی، حق بیانی، حق گوئی، حق پرستی اور حق کوشی نے ان
کے معیار واعتبار کو اتنا اونچا کر دیا کہ اعلیٰ حضرت کے لقب کے پکارے گئے اور امام
اہل سنت کے معزز وممتاز منصب پر بٹھائے گئے۔ کاش آج ان کے اوصاف کا کچھ
بھی حصہ ان کے نام لیواؤں کے مسند دل پر براجمان ہو جائے اور زبان دل کی
ترجمانی کرنے لگے تو حق کی نکھری چاندنی سے آبادی کی آبادی جگمگا اٹھے۔

وفات ومابعد اثرات

امام احمد رضا پوری زندگی مشین کی طرح کام کرتے رہے، کیا دن اور کیا
رات، کیا صحت اور کیا بیماری کیا مصروفیت اور کیا آزادی ہر حالت میں دین کی

سرخروئی اور ملت کی سرفرازی ان کے پیش نظر رہی۔ ان کی انتھک محنت کا ان کی
طبیعت پر مضر اثر بھی پڑتا تھا۔ مگر کام کی دھن اور مقصد کی لگن میں کبھی اس کی پرواہ نہ
کی، سن قمری کے حساب سے ۶۸ سال کی عمر (۱۳۴۰ھ) اور سن شمسی کے حساب
سے صرف ۶۵ سال کی عمر (۱۹۲۱ء) میں اس دار فانی کو الوادع اور دار جاودانی کو
لبیک فرمایا۔ ۲۵ر صفر المظفر جمعہ کا دن دو بج کر اڑتیس منٹ ہوا تھا کہ دنیا کی بزم جاہ
وجلال ان کے کمال وجمال سے سونی ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وہ تو چلے گئے مگر ان کی سجائی ہوئی انجمن ان کا لگایا ہوا باغ اجڑا اور مرجھایا نہیں
بلکہ ان کی آرزوئیں پروان چڑھتی رہیں۔ حسرتوں کے کنول مسکراتے رہے ان کے
احبا واعزا نے عموماً اور ان کے خلفاء وتلامذہ نے خصوصاً اس بزم کو سونی نہیں ہونے
دیا بلکہ علم وعمل کی وہ جولانی دکھائی کہ منزل منزل اجالا ہوتا گیا۔ امام احمد رضا نے
جس خلوص سے دین وملت کے لیے جگر کاوی کی تھی اسے بار آور اور ثمر گستر ہونا ہی تھا
جو چیزیں بھی مخالفین ومعاندین دین کی تابڑ توڑ برق پاشی سے پژمردہ ہو گئی تھیں۔
امام احمد رضا نے اپنا خون جگر پلا کر انہیں تازہ وتابندہ کیا تھا یہ نذر ونیاز کی محفلیں یہ
بزرگان دین کا عرس سراپا قدس مرحومین کے لیے فاتحہ وایصال ثواب، یہ گیارہویں
وبارہویں یہ عقیدت کے جشن وجلوس واجلاس یہ مزارات اولیا پر چادر پوشی ومنت
کشی یہ اگربتی ولوبان کی شمیم بیزی، یہ حمد ونعت کی زمزمہ سنجی یہ درود وسلام کی دل
آویزی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب
ﷺ کی عظمت ورفعت کے پھریرے کی مقناطیسی یہ اہل سنت کی چہل پہل یہ
سنیت کی زندگی ونغمگی یہ تمام چیزیں اور ان جیسی اور کتنی چیزیں ہیں جن سے ایمان
کو جان اور عشق وعمل کو توانائی ملتی ہے یہ کل کی کل امام احمد رضا کی مخلصانہ جدوجہد،
محسنانہ سعی مسلسل مبلغانہ تگ ودو اور مجددانہ کارناموں کی برکات واثرات ہیں۔ خدا
کا شکر ہے پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی اہل سنت حضرات، سنی احباب ہیں وہ ان

تمام محبت کی نشانیوں سے نہ صرف محبت کرتے ہیں بلکہ ان کے فیوض وثمرات سے اپنے جان وجگر اور فکر ونظر کے نشیمن کو آباد رکھتے ہیں کتنی موثر تھیں امام رضا کی فکری تنقیدیں کہ اب تو مخالفین کے طرزِ تحریر اور اسلوب بیان میں بھی یک گونہ تبدیلی وسنجیدگی آرہی ہے۔ان کے اکابر نے جو لکھ دیا ان کے مضمرات کی قباحت سے تو قیامت تک گلو خلاصی ممکن نہیں تاہم اب جو کتابیں مارکیٹ میں آرہی ہیں اور مطالعہ کی نئی نئی میزیں سج رہی ہیں ان سے تو اندازہ لگانا مشکل ہو رہا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کے اکابر کے دامن پر بارگاہِ رسالت کی گستاخی کا قیامت تک نہ مٹنے والا داغ لگا ہوا ہے گویا کہ امام احمد رضا کی روحانی تحریک آج بھی اپنا کام کر رہی ہے بے لگاموں کو لگام دے رہی ہے دریدہ دہنوں کی دہن دوزی کر رہی ہے۔

علامہ عبدالحمید شیخ الجامعۃ النظامیہ حیدرآباد دکن نے بڑے پتے کی بات کہی ہے اور بڑی سچی بات کہی ہے آپ فرماتے ہیں:

"آپ کا مسلمانوں پر احسان عظیم یہ ہے کہ دلوں میں عظمت واحترام رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے امت کے ساتھ وابستگی برقرار رہے۔خود مخالفین پر بھی اس کا اچھا خاصا اثر پڑا اور ان کا گستاخانہ لب ولہجہ ایک حد تک درست ہوا بجا طور پر آپ امام اہل سنت وجماعت ہیں۔" [۱۵]

اس وقت دنیا میں ہزاروں تعلیمی ادارے،دانش گاہیں،مسجدیں،خانقاہیں،تصنیفی اشاعتی مراکز آپ کے نام سے قائم ہیں اور قائم ہو رہے ہیں روز بروز اس میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ہر طرف رضا کے نام کی دھوم مچ رہی ہیں ان کے علاوہ ہزاروں دینی مدارس،اشاعتی تصنیفاتی ادارے،سماجی کمیٹیاں تنظیمیں اور تحریکیں آپ کے افکار ونظریات کی توسیع وتبلیغ اور آپ کی حیات وخدمات کی تشہیر واشاعت میں شب وروز منہمک ومصروف ہیں آپ کا نام اور کام اب مدارس

اسلامیہ دینیہ کی حدود سے نکل کر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں گونج رہا ہے اب صرف مدارس اسلامیہ کے علما وفضلا ہی نہیں جامعات کے مفکروں اور دانشوروں نے بھی توجہ کی ہے اور جدید علوم وفنون پر بسیط کام ہو رہا ہے امام احمد رضا کی حیات وخدمات افکار ونظریات کے مختلف گوشوں پر کتنے ریسرچ کر چکے اور کتنے کر رہے ہیں اور کتنے ہیں جو پر تول رہے ہیں۔جس سرعت اور برق رفتاری سے حیات وخدمات رضا پر مقالے لکھے جا رہے ہیں،کتابیں ترتیب پا رہی ہیں یہ بھی عالمی ریکارڈ ہے مگر امام احمد رضا نے تنِ تنہا جو ریکارڈ بنایا تھا اسے پوری جمعیت اور جماعت مل کر بھی توڑ نہیں پا رہی ہے۔

فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر

دل کی بات

امام احمد رضا کی حیات وخدمات کے ہر گوشے پر جو چیز غماز بن کر چھائی ہے اور جس کی اثر آفرینی سیرت ومعمولات کے ہر جز وکل کو محیط ہے وہ صرف دو چیزیں ہیں،علم اور عمل،علم اور عمل کے حسین سنگم سے جو شعاع پھوٹتی ہے وہی ہے جلوۂ عشق،علم اور عمل جب باہم گلو گیر ہوتے ہیں تو شخصیت اپنے معراج کمال پر نظر آتی ہے،جبھی تو قرآن وحدیث میں علم حاصل کرنے اور حاصل شدہ علم پر عمل کرنے کی بار بار تاکید آئی ہے۔علم کے جسم میں جب تک عمل کی روح نہ پڑ جائے علم بے جان جسم کی طرح ہے،اور یہ دو چیزیں ایک ساتھ جس شخصیت میں جمع ہو جاتی ہیں وہ اقران واماثل پر ممتاز اور فائق ہو جاتی ہے۔تبھی تو عام آدمی بھی عالم میں علم کے ساتھ عمل کے جوہر دیکھنا چاہتا ہے،علم کے ساتھ کچھ بھی عمل کی تگ وتاز ہے تو پھر اسے عزت وکرامت کے آسمان پر بٹھاتا ہے۔بصورت دیگر عمل میں کوتاہی ہو تو اندازِ نظر

کچھ اور ہوتا ہے،ان دونوں چیزوں کو یکجا دیکھنے اور مان لینے کے بعد شخصیت کی عظمت تسلیم کر لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔آدمی بلا تامل جھک جاتا اور دل خراج احترام پیش کرنے لگتا ہے،امام احمد رضا کے ان علمی اور عملی جواہر پاروں سے اس کتاب کا صفحہ صفحہ،سطر سطر روشن ہے۔اس میں ہم نے ان کے علم اور عمل کا الگ الگ دبستان سجا دیا ہے۔خود دیکھیے،جائزہ لیجیے،مطالعہ کیجیے اور مشاہدے کی دلنواز کیفیات سے گزریے۔ان کے علم کی بیکرانی جب حیران کر دے،تو عمل کی موجوں سے کھیلئے دل بہلایئے۔علم اور عمل کی وسعت و رفاقت جب دامن دل کھینچنے لگے تو اس فقیر قادری کو دعاؤں سے نواز دیجئے۔یہ مت سمجھیے کہ میں نے ان کے علم و عمل کا احاطہ کر لیا ہے۔حاشاو کلا کس کی مجال ہے کہ جو اس سمندر کی گہرائی و گیرائی کا کماحقہ پتہ لگا سکے۔ جو کچھ بھی نظر آئے صرف چند قطرے کی چکا چوند ہے۔ان کے افق علم و عمل پر کھلنے والے چند تارے ہیں،بس قطرے سے سمندر کا اور تارے سے سورج کا اندازہ لگاتے جایئے۔ہم نے اپنی سی کوشش کی ہے لیکن اگر ایسی کچھ چیز نظر آئے جس پر آپ کی تنقیدی تحقیقی نظر ٹک جائے تو مخلصانہ مشورہ دیجیے۔ہم نے بحر رضویات کے خادموں کی فہرست میں اپنا نام درج کرانے کی لالچ میں قدم بڑھایا اور قلم اٹھایا ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

امیدوار کرم

غلام مصطفیٰ نجم القادری

۲۳/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۲۸/نومبر ۲۰۱۳ء

حوالے

اجمالی تعارف و کوائف

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	حیات اعلیٰ حضرت،ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین	۲۲
۲	سوانح اعلیٰ حضرت،مولانا محمد بدر الدین	۷۷
۳	حدائق بخشش،امام احمد رضا	۸۰
۴	سیرت اعلیٰ حضرت مع کرامات،مولانا حسنین رضا بریلوی	۴۴
۵	فقیہ اسلام،ڈاکٹر حسن رضا خاں،پٹنہ	۱۲۱
۶	سیرت اعلیٰ حضرت مع کرامات،مولانا حسنین رضا خاں بریلوی	۴۹
۷	الاجازات المتینہ،مشمولہ رسائل رضویہ،امام احمد رضا	۱۵۹
۸	تجلیات امام احمد رضا،قاری امانت رسول	۲۷
۹	حیات اعلیٰ حضرت،ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین	۳۲
۱۰	حیات شبلی،مولانا سید سلیمان ندوی	۴۶
۱۱	علم،عمل عشق اور امام احمد رضا،ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری	۱۳
۱۲	امام احمد رضا عالم اسلام کے عظیم مفکر مجلہ ہبلی کانفرنس	۱۴۴
۱۳	معارف رضا،کراچی،۱۹۹۱ء بحوالہ ماہنامہ ندوہ، ۱۹۱۳ء	۱۷/۲۵۳
۱۴	حیات اعلیٰ حضرت،مولانا ملک العلما سید محمد ظفر الدین بہاری	۱۹۳
۱۵	دبستان رضا،مولانا یٰسین اختر مصباحی	۱۱۸

●●●

علمی کمال

علم ہی جب نہیں تجھ میں تو عمل کیا ہوگا
جس خیاباں میں شجر ہی نہیں پھل کیا ہوگا

ہو علم تو پھر کیا نہیں قبضے میں تمہارے
تم چاہو تو صحرا کو بھی گلزار بنا دو

رسم بسم اللہ خوانی اور امام احمد رضا کی حیرانی

خدائے قدیر نے آپ کے اندر ذہانت گویا کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی، بسم اللہ خوانی کے وقت مولانا غلام قادر بیگ صاحب نے جب 'الف' 'با' 'تا' پڑھانا شروع کیا تو فر فر پڑھنے لگے، مگر جب لام الف (لا) کی نوبت آئی تو خاموش رہے، مولانا نے کہا: کہو صاحبزادے! لام الف۔

یہ دونوں حرف تو پڑھ چکے ''لام'' بھی اور ''الف'' بھی اب یہ دوبارہ کیوں؟

جد امجد مولانا رضا علی موجود تھے فرمایا:

''بیٹے استاذ کا کہا مانو جو کہتے ہیں پڑھو'' آپ نے حکم کی تعمیل کی اور مستفسرانہ نگاہوں سے جد امجد کی طرف دیکھا، جد امجد سمجھ گئے کہ بچہ کو شبہہ ہو رہا ہے فرمایا:

''تمہارا شبہ درست ہے کہ حروف مفردہ کے بیان میں یہ لفظ مرکب کیسے آ گیا؟ بات یہ ہے کہ شروع میں جس کو تم نے ''الف'' پڑھا وہ درحقیقت الف نہیں ''ہمزہ'' ہے ''الف'' یہ ہے ''الف'' چونکہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، اور ساکن سے ابتدا ممکن نہیں۔ اس لیے ''لام'' کو ''الف'' کے شروع میں ملا کر اس کا تلفظ بنایا ہے۔''

عرض کیا: با، تا، ج، د، وغیرہ کسی بھی حرف کا ملا دینا کافی تھا۔ اتنے حروف کے بعد آخر 'لام' ہی کے ساتھ خصوصیت کیوں؟

یہ سن کر جد امجد نے غایت جوش اور فرط محبت میں اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔ دعائیں دیں اور ارشاد فرمایا 'لام' اور 'الف' میں ظاہری و باطنی دونوں طرح کی مناسبت ہے کہ لکھنے میں دونوں کی شکل یکساں دراز رہتی ہے۔ اور باطنی مناسبت یہ ہے کہ 'لام' 'الف' کے بیچ میں ہوتا ہے اور 'الف' لام کے بیچ میں گویا 'لام' 'الف' کا قلب ہے اور 'الف' 'لام' کا قلب۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص ۳۲)

دینے کو یہ بھی بڑا عالمانہ و عارفانہ جواب ہے جو جد امجد مولانا رضا علی خاں نے

دیا۔مگر کتاب ’حقائق التفسیر‘ کی روشنی میں کچھ اور حقیقت کے رخ سے پردہ اٹھتا
ہے۔مگر پہلے بسم اللہ خوانی کے دن ہی استاذ سے سوال کا دوواقعہ پہلے ہی دن استاذ
سے سوال کے معاملے میں دومثالیں میری نظر کے سامنے ہیں۔ایک حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کی ،دوسری حضرت شاہ مینا علیہ الرحمہ کی،علامہ واقدی فتوح الشام میں
ناقل ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوان کی والدہ مکتب کرانے لے گئیں،تو
استاذ نے آپ کوبسم اللہ پڑھانے کے بعد جب حرف تہجی پڑھانا چاہا،تو آپ معلم کی
طرف دیکھنے لگے، پھر معلم نے پڑھانا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ’’ آپ جانتے ہیں
’ابجد‘ کیا ہے؟اس پر معلم حیران رہ گئے اور فرمایا آپ ہی بتایئے؟ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام نے ارشادفرمایا آپ مسند سے نیچے تشریف لایئے۔جوعلمی بیان کرتا ہے
اس کا مقام بلند ہوتا ہے۔استاذ نیچے تشریف لائے اورآپ مسند پرتشریف لے گئے
اوراپنی مبارک زبان سےتمام حروف مفردہ کےحقائق ومعارف بیان فرمائے۔‘‘

شیخ محقق دہلوی اخبار الاخیار میں شاہ مینالکھنوی علیہ الرحمہ کے حالات میں رقم
طراز ہیں کہ جب شاہ مینا کومکتب میں داخل کیا گیاتو آپ نے پہلے دن با،تا،ثاکے
رموز وحقائق بیان فرما کر حاضرین کو حیران وششدر کردیا۔آخر حروف مفردہ یا
حروف ابجدمیں کیا خصوصیت ہے؟

آیت کریمہ:فاعلم انہ لاالہ الا ھو کی تفسیر میں شیخ ابوعبدالرحمان السلمی
نے امام واسطی سے نقل کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کوفرمایا اَسْلِمْ اور حضور
ﷺ کوفرمایا:فَاعْلَمْ ایک پیغمبر کو اسلام کی دعوت دی اور دوسرے کوعلم کی،وہ
فرماتے ہیں ان دونوں میں اعلیٰ مقام علم کا ہے،اسلام لانے کاحکم اظہار عبودیت کے
لیے ہے۔اورتحصیل علم کاحکم معارف ربوبیت کے لیے،اسی لیےبعض اکابر نے ارشاد
فرمایا کہ وہ علم جس کی حضور کودعوت دی گئی ہے وہ حروف مفردہ کاعلم تھا،تمام کائنات کا
علم حروف مفردہ میں ہے۔حروف مفردہ کا تمام علم لام الف(لا) میں ہے، اور لام

الف(لا) کاتمام علم’’الف‘‘میں ہےاورالف کاتمام علم الف کے فا کے نقطہ میں ہے،
اورفا کے نقطہ کا تمام علم مشیت کے علم اول میں ہےاور مشیت کا علم اول ھو ہے اسی
لیےفرمایا:فاعلم انہ لاالہ الا ھو جان لے کہ ھو اللہ ہی ہے۔
(حقائق التفسیرج۲،ص۲۴۹)

اب معلوم ہوا کہ امام احمد رضا لام الف(لا)ہی پر کیوں ٹھہر گئے تھے،میرا
وجدان کہتا ہے کہ وہ اپنی نگاہ باطن سے لام الف(لا) کی زیریں لہروں میں علوم
ومعارف کا لہراتا سمندر دیکھ کر حیران تھے، بچپنے کی یہ ادا بول رہی ہے کہ:

بچپنے میں تو قدم بوس میں لاکھوں جلوے
رفتہ رفتہ تیری رفتار قیامت ہوگی

’’یقین سے یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ بسم اللہ خوانی کے وقت آپ کی عمر
کیاتھی۔تاہم اس پراتفاق ہے کہ چارسال کی عمر میں آپ نے ناظرہ قرآن پاک
ختم کرلیا تھا۔اس اعتبار سے اگر دیکھئے اوران کی ذہانت وذکاوت کوسامنے رکھئے تو
زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین سال کی عمر میں یہ رسم ادا کی گئی ہوگی، یہ وہ عمر ہوتی ہے
جس میں بچے کج مج بولتے اور افتاں خیزاں چلتے ہیں،مگر اس بالی عمر میں آپ کی
اٹھان کیسی انوکھی اورزبان کتنی صاف تھی کہ اہل خانہ نے مسرور ہوکر بسم اللہ خوانی
کرادی، اورآپ نے بھی عجیب وغریب سوال کرکے سب کی مسرت پر حیرت کی
چاندنی ڈال دی۔وہ تو کہئے ولی کامل، عارف باللہ حضرت مولانا رضاعلی خان رحمۃ
اللہ علیہ بروقت موجود تھے،جنھوں نے اپنے عارفانہ جواب سے امام احمد رضا کو
خاموش تو کردیا مگر امام احمد رضا کی متحیر نظریں برابر دادا جان کے چہرے پر ٹکی
رہیں، کیوں؟ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ان کی باطنی نظریں علوم ومعارف کے سمندر کی
مچلتی لہروں کے حسین نظاروں میں مست تھیں، جس کی صبح زندگی ایسی ہو اس کی
تجلیات زندگی کا عالم کیا رہا ہوگا۔آنے والے وقتوں میں اس جوہر قابل نے اپنے علم

وعمل کے جونقوش لوح دہر مرتسم کئے۔اس کے تاباں جلووں سے آج ایوان فکر وعمل کا ہر شبستان منور ہے اوران شاء اللہ ہمیشہ منور رہے گا۔

اساتذہ وتلامذہ

جس طالب علم نے بسم اللہ خوانی کے دن ہی اپنی زیرکی ودانائی سے نادر سوال کر کے اپنے استاذ کو حیران کر دیا ہو اس طالب علم کو پڑھانے کے لیے جیسے لائق وفائق استاذ کی ضرورت تھی قدرت نے اپنے فضل سے وہ انتظام بھی فرما دیا تھا۔چونکہ کسی بھی شخصیت کی شخصی عظمت کو جانچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس نے جن سے اکتساب فیض کیا ان کا پایہ علم وعمل کتنا بلند تھا۔اور پھر اس سے جن لوگوں نے کسب نور وضیاء کیا ان کی علمی حذاقت ومہارت کا معیار کیسا تھا، چوں کہ استاذ سے شاگرد کی علمیت کا پتہ لگتا ہے اور شاگرد سے استاذ کی عظمت کا،اسی لیے کہتے ہیں کہ سچا ولی وہ ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آ جائے۔اور سچا عالم وہ جسے دیکھ کر نبی پاک یاد آ جائیں،اور سچا مرید وہ ہے جسے دیکھ کر اس کا پیر یاد آ جائے اور سچا شاگرد وہ ہے جسے دیکھ کر استاذ کی یاد تازہ ہو جائے،امام احمد رضا وہ خوش نصیب شاگرد ہیں جنہیں استاذ ایسے ملے جو اپنے زمانے میں استاذ الاساتذہ ہی نہیں بلکہ ان کے علمی بلندی وگہرائی کے سامنے ہمالیہ کی چوٹی اور بحر قلزم کی گہرائی شرمندہ ہے۔اور آپ وہ عالی جاہ استاذ ہیں کہ جو ان کے میکدۂ علم وعرفان میں پہنچ گیا اور ایک دو جرعہ بھی نصیب ہو گیا تو وہ زمانہ پر فوقیت لے گیا۔ذیل میں پیش ہے ان کے اساتذہ وتلامذہ کی اجمالی فہرست:

اساتذہ

(۱) حضرت مولانا غلام قادر بیگ بریلوی۔

نوٹ: آپ بسم اللہ خوانی سے لے کر میزان منشعب تک ابتدائی تمام کتابوں کے استاذ ہیں۔

(۲) مفسر قرآن حضرت علامہ نقی علی خاں والد ماجد۔

نوٹ: امام احمد رضا نے ۲۱ علوم وفنون کی اعلیٰ ومعیاری کتابیں آپ ہی سے پڑھیں۔

(۳) خاتم الاکابر حضرت سید آل رسول مارہروی، مرشد گرامی امام احمد رضا

(۴) نور العارفین حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری، مرشد مجاز امام احمد رضا

(۵) حضرت شیخ احمد بن دحلان مکی

(۶) حضرت شیخ عبد الرحمان مکی

(۷) حضرت شیخ حسین بن صالح

(۸) حضرت مولانا عبد العلی، رام پوری

یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں بزم شریعت جن سے رونق پذیر اور مجلس طریقت ضیاء بار ہے۔جنہوں نے علم سے عمل تک ہر جو ہر حیات کو اپنی فکر نو بہارے لالہ زار کیا،ان کی فیض بخشیوں سے آج تک گلشن اسلام ہرا بھرا اور دامن گیتی تر و تازہ ہے۔

تلامذہ

امام احمد رضا نے کسی مروجہ درسگاہ میں مدرس کی حیثیت سے تدریس کا کام انجام نہیں دیا دور دور سے علم کے متلاشی آپ کا علمی غلغلہ سن کر آپ کے در دولت پر حاضر ہوتے اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق مالا مال ہو کر واپس لوٹ جاتے،اس لیے شاگردوں کی صحیح تعداد کا تعین مشکل ہے،ہاں ان میں سے بعض منتخب روزگار تلامذہ کے نام یہ ہیں:

(۱) استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں (برادر اوسط)

(۲) حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں (خلف اکبر)

(۳) مفتئ اعظم ہند حضرت علامہ مصطفےٰ رضا خاں (خلف اصغر)

(۴) عید الاسلام مولانا عبد السلام، جبل پوری

(۵) اشرف العلما حضرت مولانا سید احمد اشرف، کچھوچھوی

(۶) ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین، بہاری

(۷) صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی

(۸) ضیغم اہل سنت مولانا عبد الاحد، خلف محدث سورتی

(۹) برہان ملت مولانا محمد برہان الحق، جبل پوری

(۱۰) مخدوم ملت حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی، محدث اعظم ہند۔

یہ وہ اسمائے گرامی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر امیر مجلس اور قافلہ سالار اور ہر ایک کی تاریخ حیات زریں اور روشن خدمات سے منور و تابناک ہے، انہوں نے اپنے روحانی فیوض و برکات سے سرزمین ہند کو بہرہ ور اور مالا مال کیا، مذہب وملت کی پرزور حمایت اور اس کی محافظت کی۔ اس کے وقار اور آبرو کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اور مدارس و مساجد نیز مقدس خانقاہوں کی فضا سے لاہوتی نغمے نشر کیے جن سے روح انسانی کو وجد آ گیا اور عشق و محبت رسول کے سوز و ساز سے اسلامیان ہند کا دل سیماب پارے کی طرح تڑپنے لگا۔ یہ سبھی حضرات اپنے اپنے میدان میں منفرد اور ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔

(امام احمد رضا اور بدعات ومنکرات، ص ۱۷)

اعلیٰ حضرت کے اساتذہ میں جو بھی ہیں ان کے علم کی روشن شام سے ان کے عمل کی صبح درخشاں کا پتہ چلتا ہے، ان کی زریں حیات سے پھوٹتی روشنی پکار رہی ہے کہ یہ سب فیضان محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشن شمعیں ہیں۔ ان تمام شمعوں نے مل کر امام احمد رضا کو وہ روشنی بخشی کہ یہ خود اپنے زمانے میں فیضان محمدی کی روشن شمع بن کر جگمگانے لگے۔ اور اب جو ان کے قریب آیا اور اس روشن شمع کی لو

سے لو ملا لیا یہ سب بھی روشن شمع بن کر ملک واطراف ملک میں ایسا جگمگائے کہ کسی کو دنیا نے حجۃ الاسلام کہا، کسی کو دنیا نے مفسر اعظم کہا، کسی کو دنیا نے مفتی اعظم کہا، کسی کو دنیا نے محدث اعظم کہا، کسی کو دنیا نے ملک العلما کہا، کسی کو دنیا نے صدر الشریعہ کہا، کسی کو دنیا نے برہان ملت کہا، وغیرہ وغیرہ۔ آج انہیں روشن شمعوں کی روشنی ہے کہ دنیائے سنت میں ہر طرف اجالا ہے۔

معارف قرآنی کا بحر ذخار

قرآن کریم کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، جو آخری نبی حضور سرور کونین ﷺ پر نازل ہوئی اور جس کی حفاظت وصیانت کا ذمہ خود خدائے قدیر وکریم نے لیا، چونکہ اس میں جملہ کتب سماویہ کا اصلی مفہوم خدا نے محفوظ کر دیا ہے اس طرح یہ وہ نادر مرقعہ ہے جس کے ایک ایک نقطہ بلکہ حرف حرف میں معانی ومطالب کا دریا موجزن ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی قاضی ابو بکر ابن عربی کا قول نقل کرتے ہیں قرآن کے علوم ۷۷ ہزار ہیں۔ علامہ بیجوری نے قیصدہ بردہ کی شرح میں فرمایا کہ ہر آیت کے ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) مطالب ہیں اور وہ مفاہیم جو ابھی رہ گئے ہیں وہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔ علی خواص قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سورۂ فاتحہ کے معانی پر مطلع فرمایا، تو اس سے میرے لیے ایک لاکھ چالیس ہزار نو سو (۱۴۰۹۰۰) علوم ظاہر ہو گئے (فضائل قرآن، ص ۱۴) یہ ہے قرآنی علوم کی بیکرانی پر اپنا اپنا اظہار خیال، آیئے دیکھتے ہیں کہ امام احمد رضا جنھیں خدائے عزوجل نے دین وملت کی تجدید وخدمت ہی کے لیے پیدا فرمایا تھا قرآنی علوم میں انھیں کیسی مہارت تھی؟ چوں کہ تجدید دین وملت اور احیائے شریعت وسنت کا کما حقہ، حق وہی ادا کر سکتا ہے جو قرآنی علوم وحقائق کا جامع ہو اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کا قرآنی علوم کے باب میں حال یہ ہے کہ محب رسول مولانا

شاہ عبد القادری بدایونی کے عرس میں تشریف لے گئے تو وہاں ۹؍ بجے سے
۳؍ بجے تک کامل چھ گھنٹے سورۂ والضحیٰ پر تقریر فرمائی اور فرمایا کہ اس سورۂ مبارکہ کی
کچھ آیات کی تفسیر ۸۰ جز (ہر جز سولہ صفحہ کا ہوتا ہے) لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ اتنا وقت
کہاں سے لاؤں کہ پورے قرآن کی تفسیر لکھ سکوں۔ (حیات اعلیٰ حضرت ۹۷)

حضرت مولانا اطہر نعیمی اپنے والد شیخ الحدیث والتفسیر مفتی محمد عمر نعیمی کے
حوالے سے بیان کرتے ہیں:

فاضل بریلوی تقریر بہت کم فرمایا کرتے تھے، سال میں صرف تین خصوصی
تقریر معمولات میں شامل تھیں، لیکن یہ تمام تقریریں سورۂ فتح کی پہلی آیت پر ہوتی
تھیں اور ہر مرتبہ نئے نکات بیان فرماتے، کیوں کہ آپ علم کا بحر ذخار ونا پیدا کنار
تھے۔ (امام احمد رضا جامع الحیثیات، ابوزہرہ رضوی)

امام احمد رضا تو پھر امام احمد رضا ہیں آپ کی بارگاہ کے تراشیدہ علمی پیکر حضرت
ملک العلما، مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی علوم قرآنی کی مہارت کا عالم
یہ تھا کہ پٹنہ لون کی مسجد میں معراج شریف کے عنوان پر چالیس سال تک خطاب
فرمایا، اور سبحان الذی اسریٰ سے لے کر لیلا تک کی تفسیر بیان کر سکے تھے کہ ریٹائر
ہو کر بحر العلوم کٹیہار شریف چلے گئے۔ (جہاں ملک العلما، ص ۴۳۳)

شاگرد کا جب یہ عالم ہے استاذ کا عالم کیا ہوگا، اعلیٰ حضرت تو یہاں تک بیان
فرماتے ہیں کہ قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی، اندازہ کیجیے ہزاروں کی تعداد
میں آپ نے نعتیہ اشعار لکھے محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کی صورت وسیرت، اوصاف
وکمالات، فضائل وخصائل، کس چیز کا اس میں ذکر نہیں ہے مگر فرماتے ہیں کہ یہ سب
قرآن سے میں نے سیکھے اور لیے ہیں یعنی یہ سب قرآن ہی سے ماخوذ ومستفاد
ہیں، ذرا سوچیے! ایک سورت کی بعض آیات پر ۸۰ جز (۲۵۰۰) صفحات جو لکھ سکتا
ہے اور پچاس سال تک صرف ایک آیت پر تقریر کر سکتا ہے وہ اگر پورے قرآن کی

تفسیر لکھتا تو کتنی ضخیم تفسیر ہوتی، شاید ایک ایک سورہ کی تفسیر موجودہ دور کی بڑی بڑی
تفاسیر سے بڑھ کر ہوتی۔ دنیا میں ایسی بہت سی شخصیات گذری ہیں جنھوں نے اپنی
علمی مسیحائی سے مردہ علوم کو زندہ فرمایا اور زندہ علوم کو مزید تروتازہ اور توانا
کر دیا۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ
مولانا شمس الدین یحییٰ کی شان میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی حضرت شیخ
عبد الحق محدث دہلوی کا یہ قول نقل کیا ہے، میں نے علم سے پوچھا کہ تجھے کس نے زندہ
کر دیا تو علم نے کہا شمس الدین یحییٰ نے۔

تاریخ اسلام میں ایسی نادر الوجود شخصیتیں ہر دور میں نظر آئیں گی، جنھوں نے
واقعتاً علم کو حیات نو بخش دی، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے متعلق روایت
ہے کہ آپ کو ۱۵۰ علوم میں مہارت حاصل تھی، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت
کی سوانح میں مذکور ہے کہ آپ ۱۸۸ علوم جانتے تھے۔ صاحب نبراس علامہ عبد
العزیز ہاروی کے متعلق تذکرہ میں ہے کہ آپ کو ۲۷۰ علوم وفنون میں کمال حاصل
تھا، آج کچھ لوگ اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کی تعداد کو دیکھ کر محو حیرت ہیں انھیں یاد
رکھنا چاہیے کہ لاکھوں، کڑوروں علوم قرآنی میں سے اب تک پوری دنیا میں ۴، ۵؍
سو سے زیادہ تعداد تک لوگوں کی رسائی نہیں ہوئی ہے۔ ابھی تو قرآنی علوم کے جلوہ
صد ہزار رنگ کی رونمائی باقی ہے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

قیامت تک اور کتنے علوم وفنون سے آشنائی ہوگی اللہ اور اس کا رسول
جانیں (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) لہٰذا امام احمد رضا کے علوم کی تعداد دیکھ کر
حیرت زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہر علم وفن کا سر رشتہ قرآن سے ملتا ہے۔
ابتداءً کہا گیا کہ آپ پچاس علوم کے عالم تھے، پھر یہ تعداد ۶۰ پر پہنچی پھر پچھتر

علوم کے چرچے ہوئے۔ مزید تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ آپ کے علوم کی تعداد ۱۱۴ ہے، یہ سلسلہ مزید آگے بڑھا تو یہ تعداد بڑھ کر ۲۰۰ ہوگئی۔ جب جدید انداز تحقیق سے علوم رضا پر ریسرچ کا کام شروع ہوا تو آپ کے علوم کی تعداد ۳۰۵ تک پہنچ گئی، اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے اس لیے کہ امام احمد رضا معارف قرآنی کے غواص ہیں اور قرآنی علوم و معارف بحر بے کنار ہے، خدا جسے جتنی ہمت وظرف عطا فرماتا ہے وہ اسی اعتبار سے اپنے دامن حیات کو معارف قرآنی کے رنگ برنگ موتیوں سے سجاتا ہے، خود نبی محترم ومکرم ﷺ قرآن پاک کے محاسن ومعارف کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں۔ **لا تنقضی عجائبہ** اس کے عجائب، یعنی معارف ومطالب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **من اراد العلم فعلیہ بالقرآن** جو اپنے دامن کو گوہر علم سے بھرنا چاہے، وہ قرآن کا دامن تھام لے، جوں جوں علوم وافکار کی چاندنی پھیلتی جا رہی ہے علوم قرآنی کی برکات وتجلیات دلوں کو مسخر کرتی جا رہی ہیں، آج سائنس کی روز افزوں ترقیات دیکھ کر لوگ محو حیرت ہیں مگر انہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ سائنسی تمام تر ایجادات واختراعات علوم قرآنی کی مرہون منت، ممنون احسان ہیں، یہ سب قرآنی مجید کی فیض بخشیاں ہیں جو جاری ہیں اور جاری رہیں گی۔ قیامت تک جتنے بھی علوم وفنون آشکار رہوں گے ان سب کا سرچشمہ ومنبع قرآن کریم ہی ہوگا، امام احمد رضا کو علوم قرآنی میں وہ درک حاصل تھا کہ آپ نے ترجمہ کے روپ میں ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ مفتی محمد مطیع الرحمان صاحب رضوی تحریر فرماتے ہیں:

”صدر الشریعہ مولانا امجد علی کی درخواست پر ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء کو قرآن کریم کا فی البدیہہ ترجمہ کیا، مگر دوسرے مترجمین کی طرح لغت دیکھ کر لفظ کے نیچے لفظ نہیں رکھا جس سے تقدیس باری پر حرف آئے، یا شان رسالت کا خون ہو بلکہ کلام الٰہی کے تمام ممکنہ مقتضیات کا لحاظ

رکھتے ہوئے نہایت ہی پاکیزہ اور مقدس لفظوں میں صاف سلیس اور شستہ ترجمہ کیا ہے۔“

تاجدار اشرفیت سید محمد اشرف محدث اعظم نے شروع سے اخیر تک بنظر دقیق مطالعہ کرنے کے بعد فرمایا:

”اس کی کوئی مثال عربی زبان میں نہ ہے نہ فارسی زبان میں، اور نہ ہی اردو میں اس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ پر لایا ہی نہیں جا سکتا، بظاہر تو یہ ایک ترجمہ ہے مگر درحقیقت قرآن کی صحیح تفسیر، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اردو زبان میں قرآن ہے۔“

(المیزان کا امام احمد رضا نمبر، ص ۲۴۵)

مولانا کوثر نیازی جن کا تعلق بریلوی مکتب فکر سے نہیں ہے انہوں نے بھی جب امام احمد رضا کے ترجمہ کا تنقیدی مطالعہ کیا تو برملا اس اعتراف پر مجبور ہوئے کہ کنز الایمان تمام اردو تراجم میں عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ ہے۔ یہ عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے۔

(امام احمد رضا حقائق کے اجالے میں، ص ۱۱)

انسان اپنی دماغی کوشش سے بلند پایہ مصنف قابل صد افتخار ادیب تو بن سکتا ہے۔ اپنی ذاتی قابلیت کے زور سے مختلف زبانوں کا ماہر تو ہو سکتا ہے، لیکن قرآن کریم کا مترجم ومفسر بننا، کلام الٰہی کے اصل منشا ومراد کو سمجھنا، اس عالم دین کا کام ہے جس کا دماغ انوار ربانی سے روشن، اور اس کا قلب عشق مصطفےٰ کا مدینہ، اور اس کا ذہن بصیرت دینیہ کا حامل ہو، ان اوصاف حقیقیہ وکمالیہ نے امام احمد رضا سے وہ ترجمہ کروالیا کہ ترجمہ کے نام پر تحریف کا جو سلسلہ چل پڑا تھا، ٹوٹ گیا، کنز الایمان نے ان کے سامنے مضبوط بند، باندھ دیا۔

عظیم الشان ومایہ ناز ترجمہ قرآن کا ذکر آ گیا ہے تو اس کی امتیازی شان اور

انفرادی خصوصیت کے چند زمینی شواہد کا ذکر ضروری ہے، ہوتا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے
کسی بندۂ خاص پر جب خاص لطف وکرم فرماتا ہے، تو اس کی روح بھی خصوصی
فیضان سے منور ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے کلام پر اپنے کلام کی عظمت کا وہ پرتو ڈالتا
ہے کہ معانی کا پرت در پرت نکھر اٹھتا ہے۔ جس کی جھلک اس کے ترجمہ سے نمایاں
ہوتی رہتی ہے۔ جیسے اگر ایک طرف آپ قرآن کو پڑھیں اور دوسری طرف کنزالایمان
کو سامنے رکھیں تو محسوس ہوگا کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ ترجمہ کرنے والے کی روح
پر اتر رہا ہے، اور اپنا معنیٰ ومفہوم مترجم کے ذہن پر منعکس کر رہا ہے۔ مثلاً

(۱) کراچی سپریم کورٹ کے شریعت بینچ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ اسلام
میں ’’تحدید ملکیت‘‘ جائز ہے یا نہیں، دوران سماعت ایک وکیل نے قرآن مجید کی
سورۂ زخرف کی آیت نمبر ۳۲، ۳۳ کو دلیل بناتے ہوئے ناجائز قرار دیا، ان کا کہنا
تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو امیر اور کسی کو غریب بنایا ہے غربت وامارت کی یہ تقسیم خدا
کی مشیت کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی نے جب یہ درجہ بندی رکھی ہے،
تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ’’حق ملکیت‘‘ کو محدود کر کے مشیت ایزدی کی خلاف
ورزی کرے انہوں نے یہ آیت بطور دلیل پیش کی۔ **ورفعنا بعضھم فوق
بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضاً سخریاً**۔ فاضل وکیل نے یہ ترجمہ کیا
کہ ’’ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر مال ودولت کے اعتبار سے برتری عطا
کی۔ تا کہ کچھ لوگ دوسروں کی ہمیشہ خدمت کرتے رہیں۔‘‘

عدالت میں ایک صاحب فکر ونظر بھی تھے انھوں نے عرض کیا کہ میرے
نزدیک لفظ سخریا کا معنیٰ یکسر مختلف ہے، یہ لفظ یہاں خدمت ونوکری کے معنی میں
نہیں ہے، بلکہ تمسخر اور استہزاء کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور یہاں قرآن
استفہامیہ انداز میں اس نخوت وتکبر کے بت کو پاش پاش کرنا چاہتا ہے، جو کثرت
دولت کے سبب امیروں میں پیدا ہو جاتا ہے، بتایا یہ جا رہا ہے کہ، غربت وامارت

کے فرق کو اپنے معاملات کی حد تک تو رکھو، لیکن اس تقسیم کو غریبوں کے مذاق کی بنیاد نہ
بناؤ، مجھے یقین تھا کہ جو تصور رب العزت کے نظام معیشت کی عظمت پر دلالت کرتا
ہے، اعلیٰ حضرت کا ترجمہ یقیناً اس کے بیان پر مشتمل ہوگا۔ عدالت میں ۲۵ رکے
قریب تراجم موجود تھے، سب میں سخریا کا معنیٰ خدمت ہی لکھا تھا۔ لیکن جب میری
عرض پر اعلیٰ حضرت کا ترجمہ منگوایا گیا، اور کھول کر دیکھا گیا تو عدالت کے چیئرمین
نے مجھے مبارک باد دی اور بتایا کہ اعلیٰ حضرت نے سخریا کا ترجمہ ’’مذاق‘‘ ہی کیا ہے،
اور اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کا ماخذ تلاش کیا گیا تو شیخ سعدی نے اپنے فارسی ترجمہ میں
اور امام قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں سخریا کا معنی یہی بیان کیا تھا، اعلیٰ حضرت کی
وسعت نظر اور کمال فہم پر قربان جائیں کہاں کہاں تک آپ کی نظر بصیرت پہنچی ہے۔
جس نے دیگر تراجم پر آپ کے ترجمے کو منفرد وممتاز کر دیا ہے۔

(۲) اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انسان زمین کے کناروں سے
نکل کر فضاؤں کو چیرتا ہوا چاند پر قدم رکھنے کے قابل ہو گیا، اب اس حقیقت کے
لیے دو باتیں قرآن سے مطلوب ہیں، پہلی یہ کہ کیا انسان زمین کی حدود سے باہر نکل
سکتا ہے؟ دوسری بات یہ کہ آیا انسان چاند یا دوسرے سیاروں پر پہنچ سکتا ہے
یا نہیں۔ ان دونوں سوالوں کا جواب قرآن پاک میں سوائے امام احمد رضا کے ترجمہ
کے کسی اور مترجم کے یہاں نہیں ملتا، قرآن پاک نے ان دونوں سوالوں کی حقیقت
کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ
تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا
بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ اے جن وانس کے گروہ اگر تم سے ہو سکے کہ آسمان وزمین کے
کناروں سے نکل کر جاؤ، تو نکل جاؤ جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے۔‘‘ امام
احمد رضا کے ترجمۂ قرآن سے یہ ثابت ہوا کہ زمین کے کناروں سے نکلنا آسان تو
نہیں، لیکن اگر نکل بھی جائیں تو سلطنت اسی کی رہے گی، یہ عین سائنٹیفک ترجمہ

ہے، کیوں کہ اس میں کوشش کے بعد زمین کے کناروں سے نکلنے کا اشارہ موجود ہے کہ انسان ترقی کر کے اس دور میں داخل ہوگا، جب وہ زمین کے کناروں سے نکل سکے گا۔آج ہزاروں انسان فضائی سفر کرتے ہیں۔زمین سے تیس ہزار سے چالیس ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ جاتے ہیں، انسان نے جہاز کے بعد راکٹ بنائے جو لاکھوں میل دور کی سیر کرتے ہیں۔اور اب انسان کا سفر چاند سے دور مریخ کی طرف ہے، جو زمین کے کنارے سے کڑوروں میل دور ہے زمین کے کناروں سے نکلنا ناممکن ہوتا تو کسی طرح کوئی بھی انسان ہزار کوشش کے بعد بھی نکل نہیں پاتا، چنانچہ امام احمد رضا نے اس نکتے کو جب قرآن میں تلاش کیا، تو قرآن نے جواب دیا کہ جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے، جب کہ دیگر مترجمین کے ترجموں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کا زمین کے کناروں سے نکلنا محال ہے، جیسا کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے ترجمہ کیا ہے کہ ''مگر بدون زور کے نکل نہیں سکتے'' اور زور ہے نہیں'' یہ سب مشاہدے شاہد ہیں کہ تمام مترجمین کے بیچ میں واحد شخصیت امام احمد رضا کی ہے جن کی نظر بیک وقت سائنسی تقاضوں پر بھی ہے، رفتار زمانہ پر بھی اور معارف قرآنی پر بھی، آپ ہر ایک پر یکساں قوت گرفت رکھتے تھے۔اسی لیے بات کہیں سے بھی چلے وہ دین اور عظمت دین۔قرآن اور شان قرآن کو اپنی اپنی جودت طبع اور خدا کی بخشی ہوئی صلاحیت سے ثابت کرتے رہتے تھے، اسی پیش کردہ آیت کو لیجئے تمام مترجمین نے عظمت قرآن کو اپنی کم رسائی، کم فہمی اور کم سوادی کی وجہ سے غبار آلود کر دیا ہوتا، مگر اعلیٰ حضرت نے لاج رکھ لی۔

(۳) دوسرے سوال کا جواب کہ آیا انسان زمین کے علاوہ کسی اور سیارے پر قدم رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس جواب کی گنجائش بھی صرف امام احمد رضا کے یہاں نظر آتی ہے۔اگرچہ ان کے زمانے میں، انسان نے چاند پر قدم نہیں رکھا تھا، مگر انسان کی ترقی کی دوڑ کو انھوں نے دیکھ لیا تھا، اس نقطۂ نظر سے انھوں نے قرآن کو بغور

سمجھا، لہٰذا مندرجہ ذیل آیت سے استنباط فرمایا: وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ اور چاند کی قسم جب کامل ہو جائے، ضرور تم منزل بمنزل چڑھو گے، تو کیا ہوا انھیں، ایمان نہیں لاتے، یہاں آپ نے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ کا ترجمہ منزل بہ منزل فرما کر یہ بتا دیا کہ انسان جب فضاؤں کو چیرتا ہوا باہر نکلے گا، تو ضرور اس کی کوئی دوسری منزل ہوگی، اور وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ یہ آیت اشارہ کر رہی ہے کہ وہ منزل چاند ہوگی اور ممکن ہے کہ منزل بہ منزل انسان چڑھتا ہی چلا جائے اور **فما لھم لا یومنون**۔ یہ آیت اشارہ کر رہی ہے کہ یہ انسان جو چاند پر یا اور کسی سیارہ پر قدم رکھے گا وہ مسلمان نہیں کافر ہوگا اور دنیا گواہ ہے کہ چاند پر پہلا قدم رکھنے والا دونوں امریکی خلاباز، مسلمان نہیں کافر تھے، اب اگر قرآن یہ بتانے سے قاصر رہے کہ آیا انسان کسی دوسرے سیارے پر قدم رکھے گا یا نہیں؟ اور انسان قدم رکھ لے، تو اتنی بڑی ترقی اگر قرآن نہ بتا سکے، تو پھر قرآن کا دعویٰ درست نہیں رہتا کہ ''ہر خشک وتر کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔'' اب اسی آیت کا ترجمہ جو دیگر مترجمین نے کیا ہے اس سے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ آیت انسان کی اس ترقی کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔'' (مقالات طاہر القادری)

یہ رب کا خاص فضل تھا امام احمد رضا پر کہ امام احمد رضا وہاں تک کا مشاہدہ فرما لیتے تھے جہاں تک دیگر مترجمین کے فہم کی رسائی بھی نہیں ہوتی تھی، اس لیے کہ دیگر مترجمین لغت اور ڈکشنری کے سہارے ترجمہ کرتے تھے اور امام احمد رضا فیضان الٰہی کی دستگیری میں ترجمہ فرماتے تھے، حق یہ ہے کہ معانی قرآنی کا نزول ہر قلب پر نہیں ہوتا اس کے لیے مومن کامل کا دل، اور عاشق صادق کا دماغ چاہیے۔ بعض عارفین نے قرآن مجید کی آیت کریمہ **لا یمسہ الا المطھرون** کا یہ معنی کیا ہے کہ قرآن کے معانی کا نزول پاکیزہ دلوں پر ہی ہوتا ہے۔قرآنی معانی کی حقیقت تک رسائی کے لیے جبرئیلی عشق کے فیضان اور دل دردمند کے الہام کی

ضرورت ہے۔ اور حالات وواقعات معاملات وتجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ
اپنے دور میں ان اوصاف کے مظہر اتم صرف امام احمد رضا تھے۔

شان کنزالایمان

اعلیٰ حضرت کے احسانات میں ایک بڑا احسان ترجمۂ قرآن کنزالایمان ہے،
اس سے پہلے دوسرے کئی ایک ترجمے اردو زبان میں شائع ہو چکے تھے جو ترجمہ کے
نام پر تحریف کا کارنامہ انجام دے رہے تھے۔ ترجمہ تو شاہ محمد رفیع الدین اور شاہ
عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہما نے بھی کیا تھا، مگر یارانِ مکیدہ کی دست برد سے محفوظ نہ رہ
سکا، تصرفات کا شکار ہو کر رہ گیا تھا، ایسے میں ضرورت تھی ایک ایسے ترجمے کی جو
قرآن کا اچھا ترجمہ ہی نہیں سچا ترجمان بھی ہو، کنزالایمان اسی خواب کی تعبیر اور
حسرتوں کی تکمیل ہے، حق یہ ہے کہ کسی بھی زبان کی کتاب کو دوسری زبان میں ڈھالنا
یہ بھی بہت کٹھن کام ہے، مگر قرآن مجید کا ترجمہ کرنا یہ اس سے بھی مشکل امر ہے،
یہاں ادنیٰ سی بے توجہی سے بڑا سے بڑا حادثہ رونما ہو سکتا ہے، اور ہوا بھی ہے جس
کی متعدد مثال نیچے آرہی ہے، اس لیے کہ یہ کام ڈکشنری اور لغت کی مدد سے انجام
نہیں پاتا اس کے لیے وفورِ علم اور رسوخ فکر کے ساتھ کلام الٰہی کے اصل منشا و مراد کو
سمجھنا، آیات ربانی کے اندازِ کو پہچاننا، آیات محکمات و متشابہات میں امتیاز کرنا، اللہ
جل جلالہ اور اس کے رسولان ذوی الاحترام کے مدارج و مراتب کا خیال رکھنا،
مخاطب اور مخاطَب کے مقامات کو ملحوظ رکھنا یہ از بس ضروری ہے، ورنہ ادب و احتیاط
کا دامن اگر چھوٹا تو ایمان سے کفر میں چلے جانے کا خطرہ ہے۔ اس پل صراط سے
وہی سبک اور سلامت روی سے گذر سکتا ہے جس کے ساتھ نفس نفس تائید ربانی کی
رہبری ہو ورنہ چوٹی کے اہل قلم، مشہور اہل علم مثلاً سرسید احمد خان، مرزا حیرت
دہلوی، ڈپٹی نذیر احمد، ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمود الحسن

دیوبندی، مولانا عبدالماجد دریابادی یہ سب کے سب ترجمہ کے بھنور میں ہچکولے
کھاتے نظر نہیں آتے، معانی کے روپ میں مفاسد کا فریضہ ان سے انجام نہیں پاتا،
ذیل میں بطور ثبوت چند آیات قرآنیہ کا ترجمہ پیش ہے، غور کیجئے ان لوگوں نے خدا
کی کتاب، اللہ کی ذات اور رسول کی شخصیت کے ساتھ کتنا انصاف کیا ہے؟

اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں بے ادبی

(۱) اللّٰہُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ۔ (پارہ نمبر ۵، آیت نمبر ۱۵)
(الف) اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے۔ (مولانا محمود الحسن دیوبندی)
(ب) اللہ ٹھٹھا کرتا ہے ان سے۔ (سرسید احمد خاں، علی گڑھی)
(ج) اللہ جل شانہٗ ان سے دل لگی کرتا ہے۔ (نواب وحید الزماں، غیر مقلد)
(۲) واللہ خیر الماکرین۔ (پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۵۴)
(الف) اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر۔ (مولانا محمود الحسن دیوبندی)
(ب) اللہ چالوں میں ان سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ (مولانا عبدالماجد دریابادی)
(۳) ان المنافقین یخدعون اللہ وھو خادعھم۔ (پارہ ۵، آیت ۱۴۲)
بے شک منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں، اور اللہ ان کو دھوکہ دینے والا ہے۔
(عام مترجمین)

ان تراجم میں جو خرابیاں در آئی ہیں وہ ذرا دیکھئے، آیت نمبر ۱، میں اللہ تبارک
وتعالیٰ کے لیے علی الترتیب لفظ ''ہنسی، ٹھٹھا'' اور دل لگی کا بھونڈا لفظ استعمال کرنا۔

آیت نمبر ۲: میں خداوند قدوس کی ذات پاک ومنزہ کے لیے لفظ ''داؤ اور
چال'' کا نازیبا لفظ استعمال کرنا۔

آیت نمبر ۳: میں اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے والا کہنا۔

کیا یہی قرآن کا ترجمہ اور خدا کی منشا و مراد ہے، ان بازاری الفاظ سے کیا
خدائے بے نیاز کی شان میں بے ادبی نہیں ہو رہی ہے، کون بے حس ہوگا جو کہے گا

نہیں ہورہی ہے، ہر غیرت مند دل یہی پکارے گا ہورہی ہے اور ضرور ہورہی ہے، کیا خدائے پاک کی پاک شان میں بے ادبی کفر نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے، اٹھے تھے ترجمہ کرنے ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اب آیئے انہیں پیش شدہ آیات کا ترجمہ جو عاشق مصطفےٰ امام احمد رضا نے کیا ہے وہ دیکھئے:

آیت نمبر ا: اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

آیت نمبر ۲: بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں، اور وہ ان کی خفیہ تدبیر کو ناکام کردے گا۔

آیت نمبر ۳: اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی۔

یہ ہے حسن ادب، کمال احتیاط، بلندئ خیال اور پاکیزگئ ذوق کہ ترجمہ بھی ہوگیا، عظمت خداوندی کا تحفظ بھی ہوگیا، قرآنی ارشاد کی مراد بھی پوری ہوگئی۔

بارگاہ رسالت میں گستاخی

(۱) **وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى** ﴿۷﴾ (پارہ ۳۰، آیت ۷، سورۂ ضحیٰ)

(الف) اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سمجھائی۔ (مولانا محمود الحسن)

(ب) اور اللہ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا، سو آپ کو شریعت کا رستہ بتلایا۔ (مولانا اشرف علی تھانوی)

(۲) **لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ.**

(پارہ ۲۶، سورۂ فتح، آیت ۱، ۲)

(الف) تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ تعالیٰ جو آگے ہوچکے تیرے گناہ اور پیچھے رہے۔ (مولانا محمود الحسن دیوبندی)

(ب) تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی، پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔ (مولانا اشرف علی تھانوی)

(۳) **قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ.** (پارہ ۱۶، آیت ۱۱۰، سورۂ کہف)

(الف) اے محمد کہہ دو کہ میں تو محض تم ہی جیسا انسان ہوں۔ (ابوالاعلیٰ مودودی)

(ب) میں تمہاری طرح معمولی انسان ہوں۔ (عبدالشکور کاکوروی)

ان تراجم میں جو نقائص و معائب ہیں وہ دیکھئے، حضور ہادی عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "بھٹکنا، شریعت سے بے خبر، گناہگار، معمولی انسان، جیسے معمولی اور پھوہڑ الفاظ سے نوازا گیا، کیا یہی نبی کی شان، کلمہ پڑھانے کا احسان، نبی کی عظمت اور بارگاہ خداوندی میں ان کی وجاہت ہے، اور کیا نبی سے بھی گناہ کا صدور وظہور ہوتا ہے۔ نبی اگر خود بھٹکے گا، تو وہ دوسروں کی رہنمائی کیا کرے گا، ان الفاظ سے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتعارف کا حق ادا ہورہا ہے یا ان سے توہین وتحقیر کا خون ٹپک رہا ہے؟ کوئی بھی خوش عقیدہ مسلمان یہی کہے گا کہ توہین کا خون ٹپک رہا ہے، تحقیر کی باس آرہی ہے۔ کیا ایسے لوگوں کی کلمہ خوانی کی کوئی حیثیت اسلام میں ہے؟ اسلامی نظریہ بالکل واضح اور صاف ہے کہ ؏

یہ دعوائے مسلمانی کبھی مانا نہ جائے گا

اب آیئے امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے دروازۂ ترجمہ پر دستک دیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آپ نے کس سمجھ بوجھ کا مظاہرہ فرمایا ہے:

آیت نمبر ا: اور تمھیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

آیت نمبر ۲: تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

آیت نمبر ۳: تم فرماؤ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔

وہ تھا وہابی، دیوبندی مکتب فکر کا ترجمہ جس میں نہ خدا کی عزت محفوظ ہے، نہ نبی کی عظمت۔ دو چار مثالیں تو ہم نے نمونتاً پیش کی ہے سچ یہ ہے کہ ان لوگوں کے سارے ترجموں کا ایک ہی حال ہے، آوا کا آوا بگڑا ہوا ہے، اور یہ ہے امام اہل

سنت امام احمد رضا محدث بریلوی کا ترجمہ جو قرآن کا صحیح ترجمان ہونے کے ساتھ
تفاسیر معتبرہ قدیمہ کے عین مطابق ہے، عوامی لغات اور بازاری بولی سے یکسر پاک
ہے، قرآن حکیم کے اصل منشاء اور مراد کو بتاتا ہے۔ قرآن کے مخصوص محاوروں کی
نشاندہی کرتا ہے، قادر مطلق کی ردائے عزت وجلال کا نگہبانی ہے، حضرات انبیاء کی
عظمت وشان کا محافظ و پاسبان ہے، عام آدمی کے لیے سلاست وسادگی کا پیکر
ترجمہ ہے، لیکن علما و مشائخ کے لیے حقائق ومعرفت کا ابلتا سمندر ہے، حضرت بدر
ملت علامہ بدرالدین احمد رضوی علیہ الرحمہ نے ایک جملہ میں جو بات کہہ دی ہے وہ
سینکڑوں صفحات پر بھاری ہے۔ فرماتے ہیں:

"قرآن حکیم قادر مطلق جل جلال کا مقدس کلام ہے اور کنزالایمان اس کا
مہذب ترجمان ہے۔" (سوانح اعلیٰ حضرت، ص: ۳۶۵)

امیر المؤمنین فی الحدیث

علم حدیث اپنی وسعت، زرخیزی، بصیرت اور تنوع کے اعتبار سے نہایت
جامع علم ہے تقریباً سو علوم ہیں جن سے علم حدیث میں واسطہ پڑتا ہے۔ لہٰذا اب ان
تمام علم میں مہارت کے بعد ہی کوئی علم حدیث کا جامع اور اس علم میں درجۂ کمال کو
پہنچ سکتا ہے، امام احمد رضا جس طرح کشور علوم قرآنی کے سلطان تھے ویسے ہی
مملکت معارف حدیث میں امیر المؤمنین کے درجے پر فائز تھے، آپ صفائی قلب،
اتباع سنت، دقت نظر، قوت استدلال، ملکہ استنباط، وسعت فکر، جمع بین العلم والعمل
جیسے کمالات ظاہری وباطنی سے مالا مال تھے، اس لیے دیگر علوم وفنون میں جس
طرح آپ کا کوئی ثانی وہمسر نہ تھا اسی طرح علم حدیث میں مہارت وممارست میں
بھی آپ کا کوئی جواب نہ تھا، مولانا عبدالستار ہمدانی کے بقول:

"امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان علم حدیث، معرفت

حدیث، علل حدیث، طرق حدیث، مصطلحات حدیث، روایات حدیث
میں یگانہ روزگار تھے، امام احمد رضا کو حدیث پرکھنے، جانچنے، اور حدیث کی
شرط ومعیار متعین کرنے اور راویان حدیث کی معرفت وشناخت طے
کرنے میں جو مہارت تامہ حاصل تھی وہ ان کے ممتاز وصف اور بلند وبالا
مقام پر فائز ہونے کی شاہد عادل تھی۔" (مقدمہ جامع الاحادیث ۳۳،)

امام احمد رضا علم حدیث کے صرف ماہر ہی نہیں تھے بلکہ حاذق طبیب، اور نابغہ
محقق وناقد تھے، کیا مجال کہ کوئی فریب دے کر گذر جائے، وہ حدیث کے مالہ وما
علیہ پر عقابی نظر رکھنے والے شاہین تھے کہ معاملے کے چاروں طرف اصول حدیث
کے سنگ وآہن سے حصار بندی کر کے فریبی نظریات کی وہ مزاج پرسی کرتے کہ
معاندین کے چودہ طبق روشن ہوجاتے، امام احمد رضا مجدد بھی تھے اور فقیہ بھی اس
تناظر میں قرآن وحدیث کے سمندر کا پیراک ہونا آپ کے لیے ضروری تھا۔ چوں
کہ دین اسلام کے تمام اصولی اور فروعی احکامات کا اولین دار ومدار قرآن مجید اور
احادیث کریمہ ہی پر ہے اور ایک مجدد وفقیہ مسائل کے استقراء واستقصا میں کبھی
قرآن مجید کی موجوں سے کھیلتا ہے اور کبھی حدیث کی لہروں سے، اس لیے جس فقیہ کی
ہمت جتنی بلند، نظر جتنی تیز ذہن، جتنا مواج اور دل جتنا دراک ہوتا ہے اس کے قلم سے
مسائل کا پھوٹنے والا آبشار اتنا ہی ضیابار پاکیزہ، ستھرا اور محاسن کا جامع ہوتا ہے، ماہر
رضویات پروفیسر مسعود احمد مظہری رقم طراز ہیں:

"امام احمد رضا علیہ الرحمہ علم حدیث کے حوالے سے جب معاصرین
پر تنقید فرماتے تو علم حدیث کا خزانہ ابلتا نظر آتا۔ امام احمد رضا کے شعور
پر علم حدیث چھایا ہوا تھا، ان کا ظاہر وباطن سنت کے رنگ میں رنگا
ہوگا تھا، کوئی بات، کوئی کام، کوئی تحریر، حدیث کے خلاف نہ تھی۔"

(مصدر سابق، ۶۳)

آپ کی صحبت سے فیض یاب، آپ کی نگہ ناز کے پروردہ، تلمیذ وخلیفہ حضور محدث اعظم کچھوچھوی یوں اعتراف کرتے ہیں:

"علم حدیث میں سب سے نازک شعبہ "علم رجال" کا ہے اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کے جرح وتعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے۔ اٹھا کر دیکھا جاتا تو تہذیب وتذہیب میں وہی الفاظ میں جاتے۔"

(خطبۂ صدارت، ناگپور، معارف رضا کراچی، ۱۹۹۸)

علم حدیث پر امام احمد رضا کے تبحر، بصیرت، ژرف نگاہی اور پرت در پرت پہنچ کا اس سے بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ علمائے حرمین شریفین اور علمائے عرب نے علم حدیث میں آپ سے اجازتیں لیں اور آپ کو معلّیٰ القاب سے یاد فرمایا، چنانچہ مسجد نبوی شریف کے عالم شیخ یاسین احمد الخیاری نے آپ کو امام المحدثین لکھا، اور حافظ کتب حرم شیخ اسماعیل مکی نے شیخ المحدثین علی الاطلاق تحریر فرمایا۔

(الدولۃ المکیہ مع تقریظات، ۲۷۰)

بنا بریں امام احمد رضا کی ہزار کے قریب کتابوں میں حدیث کا خزانہ مستور ہے۔ دیکھنے والی نگاہ چاہیے۔ اعلیٰ حضرت کے تلمیذ وخلیفہ حضرت ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی نظریں جب کتب رضویہ پر پڑیں اور باب باب میں حدیث کا اچھلتا ہوا چشمہ نظر آیا تو کچھ سمیٹنے کی فکر میں لگ گئے۔ جب کچھ آسودگی ہوئی تو دیکھا چھ جلدوں میں فقہ حنفی کی مستدل حدیثوں کا مجموعہ صحیح البہاری کی شکل میں مسکرا رہا ہے۔ اس کی ایک جلد جو کئی بار پاک وہند سے چھپی ہے۔ ۹۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں ۱۹۲۸۷ احادیث شامل ہیں۔ کبھی کبھی مخالفین کے بعض اعتراضات بھی بڑی رہنمائی کا کام کر جاتے ہیں۔ ان کی منفی تنقید مثبت تعمیر کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی نے نزہۃ الخواطر میں ایک جملہ لکھ

دیا۔ "کان قلیل البضاعۃ فی الحدیث" یعنی علم حدیث میں امام احمد رضا کی معلومات کم تھیں، پھر کیا تھا فکر وتحقیق اور تلاش وجستجو کے سمندر میں ابال آگیا، اور ندوی کے اس صریح جھوٹ پر سچ کا سورج اجالنے کے لیے بالغ نظر علما یکسو ہوگئے۔ علم حدیث اور اس کے لوازمات ومقتضیات ومتعلقات پر اعلیٰ حضرت کی وسیع معلومات کے حوالے سے پے در پے اتنے مقالے لکھے گئے کہ رسائل وجرائد کا دامن لالہ زار ہوگیا، اور الحمد اللہ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اس پس منظر میں دو بڑی تاریخی، دستاویزی، احادیث کا مجموعہ کتاب بھی سامنے آئیں، پہلی کتاب "امام احمد رضا اور علم حدیث، حضرت مولانا محمد عیسیٰ رضوی کی تالیف ہے۔ حق یہ ہے کہ بڑی کامیاب کوشش ہے، دوسری کتاب حضرت مولانا محمد حنیف خاں صاحب رضوی کی نادر کاوش کا انمول نتیجہ ہے جو دس جلدوں کو حاوی ہے، مولانا موصوف نے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ساڑھے تین سو تصانیف سے ۱۳۶۶۳ احادیث وآثار اخذ کیے ہیں۔ ماہر رضویات مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

"محض اپنے حافظے کی قوت سے احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر لینا بس آپ کے لیے انعام الٰہی تھا، جس کے لیے زبان ودل دونوں بیک وقت پکار اٹھتے ہیں ذلك فضل الله لوليه من يشاء (جامع الاحادیث، ۴۰۷)

مثل مشہور ہے ولی را ولی می شناند۔ حضرت علامہ وصی احمد المعروف "محدث سورتی" جن کے بارے میں مشہور ہے کہ مکمل بخاری شریف مع حاشیہ وبین السطور، اس طرح آپ کو زبانی یاد تھی کہ چاہتے تو املا کرا دیتے، ایسا عظیم محدث حضور محدث اعظم کچھوچھوی کے یہ پوچھنے پر کہ علم حدیث میں اعلیٰ حضرت کا کیا مرتبہ ہے، اعلیٰ حضرت کی حدیثی عظمت کو یوں خراج اعتراف پیش کرتا ہے:

"وہ اس وقت امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ پھر فرمایا صاحبزادے اس کا مطلب سمجھا؟ یعنی اس فن میں، میں عمر بھر ان کا تلمذ کروں تو بھی ان

کے پاسنگ کو نہیں پہنچوں گا۔“

اور خود حضور محدث اعظم ارشاد فرماتے ہیں:

”علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں، ہر وقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت ازبر۔“ (خطبۂ صدارت، ناگپور)

۱۳۰۳ھ میں مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے تاسیسی جلسہ میں علمائے سہارن پور، لاہور، کانپور، جون پور، رام پور، بدایوں کی موجودگی میں حضرت محدث سورتی کی خواہش پر حضرت فاضل بریلوی نے علم حدیث پر متواتر تین گھنٹوں تک پر مغز اور مدلل کلام فرمایا جلسہ میں موجود سارے علمائے کرام نے حیرت واستعجاب کے ساتھ سنا اور کافی تحسین کی۔ مولانا خلیل الرحمان بن مولانا احمد علی محدث سہارن پوری نے تقریر ختم ہونے پر بے ساختہ اٹھ کر حضرت فاضل بریلوی کی دست بوسی کی اور فرمایا کہ اگر اس وقت والد ماجد ہوتے تو وہ علم حدیث میں آپ کے تبحر علمی کی دل کھول کر داد دیتے۔ اور انھیں کا اس حق کا بھی تھا۔ محدث سورتی اور مولانا محمد علی مونگیری (بانی ندوۃ العلما لکھنؤ) نے بھی اس کی پرزور تائید کی۔ (جامع الاحادیث، ۴۰۸)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ سے ایک مرتبہ سوال ہوا کہ آپ نے حدیث شریف کی کون کون سی کتابیں درس کی ہیں؟ تو برجستہ ۲۰؍ کتابوں کے نام شمار کرادیے اور فرمایا پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس وتدریس اور مطالعہ میں ہیں۔ واضح رہے کہ جن اسمائے کتب حدیث کے نام اعلیٰ حضرت نے گنائے ان میں بعض کتابیں کئی کئی ضخیم جلدوں میں ہیں۔ مگر ان کے علمی تیقظ، فکری استحضار اور نظری بیداری کا عالم یہ تھا کہ جب جیسی حدیث کی ضرورت حوالے میں پڑتی وہ حدیث کن کن کتابوں میں کن کن راویوں سے مروی ہیں مع حوالہ کتب فی البدیہہ درج کردیتے، اس طرح ایک ایک مسئلہ کے ثبوت میں درجنوں حدیثوں کی قطار سے دامن قرطاس میں سجادیتے۔

(۱) مثلاً آپ سے جب سوال ہوا کہ سجدۂ تعظیمی حلال ہے یا حرام۔ تو اس کے جواب میں سجدۂ تعظیمی کی حرمت ثابت کرنے کے لیے الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیہ (۱۳۳۷ھ) کے نام سے ایک وقیع کتاب لکھی جس میں آپ کے تبحر علمی کا جوہر اتنا نمایاں ہے کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔ وھی رسالۃ جامعۃ علیٰ غزارۃ علمہ وقوۃ استدلالہ یہ ایک جامع رسالہ ہے جو ان کے فور علم اور قوت استدلال کی دلیل ہے۔ متعدد آیات کریمہ اور ڈیڑھ سو نصوص فقہیہ کے علاوہ آپ نے سجدہ تعظیمی کی تحریم کے ثبوت میں چالیس احادیث پیش کی ہیں۔ خود لکھتے ہیں، حدیث میں چہل حدیث کی بہت فضیلت آئی ہے۔

ائمہ وعلما نے رنگ رنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں، ہم بتوفیقہ تعالیٰ یہاں غیر خدا کو سجدۂ تحیت حرام ہونے کی چہل حدیثیں لکھتے ہیں:

(۲) حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خلیفہ مولانا کرامت اللہ صاحب نے دہلی باڑہ ہندو راؤ سے ایک استفتا اس مضمون کا بھیجا کہ زید درود تاج وغیرہ پڑھنے کو شرک وبدعت کہتا ہے، کیوں کہ اس میں حضور سید عالم ﷺ کو دافع البلا والوباء وغیرہ کہا گیا ہے، جو کھلا شرک ہے (معاذ اللہ)

یہ پڑھ کر امام احمد رضا کا قلم حرکت میں آیا اور حضور کے دافع البلا اور صاحب عطا ہونے کو تین سو احادیث کریمہ کے ذریعے ثابت فرما کر معترضین کے خود ساختہ شرک کو ہمیشہ کے لیے خاک میں ملادیا، یہ کتاب الامن والعلی کے نام سے مشہور ہے۔

(۳) امام احمد رضا کے استاذ گرامی حضرت مولانا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ کی معرفت مونگیر لعل دروازے سے ایک استفتاء آیا کہ وہابیہ نے حضور سید المرسلین ﷺ کے افضل المرسلین ہونے کا انکار کیا ہے اور کہتے ہیں قرآن وحدیث سے دلیل لاؤ، اس کے جواب میں امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں: ”حضور پرنور سید المرسلین ﷺ کا افضل المرسلین، سید الاولین والآخرین ہونا قطعی ایمانی، یقینی، اذعانی، اجماعی ایقانی

مسئلہ ہے۔جس میں خلاف نہ کرے گا مگر گمراہ بددین، بندۂ شیاطین، والعیاذ باللہ رب
العالمین، پھر ایک مبسوط کتاب ''تجلی الیقین'' کے نام سے تحریر فرمائی اور ایک سو
احادیث سے اس مسئلہ کو واضح فرما کر تحقیق انیق کے دریا بہائے۔

(۴) سماع موتی سے متعلق ایک سوال آیا، سائل نے سوال کے ساتھ بعض
منکرین کا جواب بھی منسلک کیا تھا، امام احمد رضا نے چارسو وجوہ سے دارو گیر فرمائی، یہ
رسالہ دلائل و براہین سے مزین ۷۷ احادیث پر مشتمل ہے۔

(۵) جمعہ کی اذان ثانی کے موضوع پر امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایک کتاب
''شمائم العنبر'' کے نام سے عربی زبان میں تحریر فرمائی۔جس میں ۱۴۵ احادیث سے
کتاب کو مزین فرمایا: (جامع الاحادیث، ۴۱۲)

اسی طرح بے شمار عناوین وموضوعات پر ان گنت احادیث کریمہ سے
استدلال فرما کر امت مسلمہ کو احادیث کا بیش بہا خزانہ مرحمت فرمایا، یہ حقائق وشواہد
بول رہے ہیں کہ امام احمد رضا سننے کی نہیں پڑھنے کی چیز ہیں، انہیں سنجیدہ مزاجی سے
پڑھا جائے، پھر آپ محسوس کریں گے کہ دعوائے علم کیا ہے اور دلیل علم کیا؟ دعویٰ کرنا
بہت آسان ہے مگر حقائق سے لبریز دلیل فراہم کرنا مشکل، یہ جو آپ ایک ایک
مسئلہ میں آیات واحادیث، اور آثار ودلائل کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیکھ رہے
ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اس میں دو چیزیں ہیں ایک تو ان کا عظیم الشان قوت حافظہ کہ
ایک بار جس کتاب کو دیکھ لیتے پوری کتاب حفظ ہو جاتی، اور دوسرے فیض رب
قدیر کی جلوہ گری، جو ہر وقت آپ کی دستگیری کرتی جس کی برکتوں سے بگڑا یا بگاڑا
ہوا مسئلہ قرآن وحدیث کے حوالوں کی مدد سے ایسا درست ہو جاتا کہ ہزار کوشش
کے بعد بھی کسی کو انگلی رکھنے کی جگہ نہ ملتی اور وہ بگڑا مسئلہ درست ہو کر خالص اسلامی
مسئلہ بن جاتا، یہ دین اسلام کی حفاظت میں اللہ تعالیٰ کی عظیم اعانت ہے جو ہر دور
میں ظہور پذیر ہوتی رہی، چودھویں صدی ہجری کے بگڑے، بگڑتے ماحول میں

جب حدیث کا سہارا لے کر معارف حدیث میں من مانی ہونے لگی تو خدا نے اپنا
دین بچایا۔امام احمد رضا کے ذریعہ۔ان کی ہر کتاب جہاں مسائل مختار کا تاج محل
ہے وہیں اسلامی تشخص کی حفاظت کا لال قلعہ بھی۔

جب قرآنی اصل مفہوم ومعانی میں دخل اندازی ہوتی تو محافظ امام احمد رضا، اور
جب حدیث کی من پسند تشریح کے بل بوتے مسائل دینیہ کی ہیئت بدلنے جسارت کی
گئی تو حدیث کا ذخیرہ لیے موضوع کے ہر موڑ پر امام احمد رضا۔وہ تو کہئے اس عنوان پر
بہت بعد میں سوچا گیا۔ورنہ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ آپ ہی اپنے دور کے
سب سے بڑے محدث ہیں شواہد کے انبار موجود ہیں۔جب ان کے شاگردوں میں کئی
ایک محدث اعظم ہیں تو پھر استاذ کے معارف حدیث کا پایہ کتنا بلند ہوگا۔

علمی کہکشاں کے ۱۲۰ ستارے

امام احمد رضا کی ایک ہزار کے قریب تصنیفات کے جائزے کے بعد محققین
کی جدید تحقیق کے مطابق امام احمد رضا کو ۳۰۵ قدیم وجدید، دینی وادبی، اور
سائنسی علوم پر دسترس حاصل تھی، جن میں سے مولانا نسیم احمد صدیقی، کراچی،
پاکستان نے انگریزی ناموں کے ساتھ پورے وثوق سے ۱۲۰ علوم وفنون کی
فہرست پیش کی ہے، جو ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف کے صد سالہ منظر اسلام
نمبر، اپریل ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی ہے، موصوف تحریر فرماتے ہیں ۱۲۰ علوم
میں ۴۰ یا اس سے زائد کا تعلق دینی علوم کی اساس اور اس کی فروع سے ہے جب
کہ ادب سے متعلق ۱۰ روحانیت سے متعلق ۸، تنقیدات وتجزیہ وموازنہ سے متعلق
۶ اور طب وادبیات سے متعلق ۲ علوم کے علاوہ بقایا ۵۴ علوم کا تعلق علوم عقلیہ
سائنس سے ہے، امام احمد رضا محدث بریلوی کی سائنسی علوم پر کتب ورسائل کی
تعداد ۱۵۰ سے زائد ہے، پروفیسر مجید اللہ قادری لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا نے یہ رسائل (جدید علوم وسائنس) اردو فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں تحریر فرمایا ہے، بعض کتب ورسائل کی ضخامت ۱۰۰ صفحات سے بھی زیادہ ہے (دیباچہ حاشیہ، جامع الانکار، ص ۳)

خود اعلیٰ حضرت نے حافظ کتب حرم شیخ اسماعیل خلیل کو جو عربی میں سند اجازت دی ہے، اس میں ۵۹ علوم وفنون کا ذکر فرمایا ہے، ان میں بعض علوم فی زمانہ متعدد شاخوں اور شعبوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ان کی شناخت کے لیے علیحدہ عنوانات، ماہرین تعلیم نے مختص کیے ہیں۔ مثلاً معیشت اور اس کے ضمنی علوم، تجارت، بنکاری، اقتصادیات اور مالیات کا اعلیٰ حضرت نے شمار نہیں کیا ہے جب کہ اسلامیان ہند کی فلاح کے لیے تدبیر بیان کرتے ہوئے مجدد اعظم ماہر بنکار، وزیر خزانہ ومالیات، اور معلم اقتصادیات کے روپ میں صاف نظر آتے ہیں۔

پیش ہے امام احمد رضا کی علمی وفنی کہکشاں کے ۱۲۰ ستارے کی فہرست:

نمبرشار	علوم کے اصل نام	جدید انگریزی نام
۱	قرأت	*Recitation of the Holy Quran*
۲	تجوید	*Phonography Speellin*
۳	تفسیر	*Explanation of Quran*
۴	اصول تفسیر	*Principle of Explation*
۵	رسم الخط القرآن	*Writership in different style of Qranantic Letters*
۶	علم حدیث	*Tradition of the Holy Prophet*
۷	اصول حدیث	*Principle of messengers tradition*
۸	اسانید حدیث	*Docunentry proof of Traditions cilation of Allharities*

نمبرشار	علوم کے اصل نام	جدید انگریزی نام
۹	اسماء الرجال	*Cyclpledia of Narrator tradition Branch of knowledge judging merets*
۱۰	جرح وتعدیل	*Critical examination*
۱۱	تخریج احادیث	*Talk and put Reterencess of the tradition*
۱۲	نعت حدیث	*Collaguial language of tradition*
۱۳	فقہ	*Islamic law*
۱۴	اصول فقہ	*Islamic Jurisprudece*
۱۵	رسم المفتی	*Legal opinian Judical verdict*
۱۶	علم الفرائض	*Law inheritance and distributon*
۱۷	علم الکلام	*Scholartie Philosophy*
۱۸	علم العقائد	*Artical of faith*
۱۹	استعارات	*Metophor*
۲۰	علم البیان والمعانی	*Rhetoric*
۲۱	علم البلاغت (علم صنائع وبدائع)	*Figure of speech*
۲۲	علم المباحث	*Dailecties*
۲۳	مناظرہ	*Polemic*
۲۴	علم الصرف	*Etymology Morphology*
۲۵	علم النحو	*Syntare (arbic grammer)*
۲۶	علم الادب	*Literature*
۲۷	علم العروض	*Science of Prosody*
۲۸	علم البر والبحر	

Arthemetic	علم الحساب	۲۹
Mathemetic	ریاضی	۳۰
Astronomical Tables	زیجات	۳۱
Fractional Numeral maths	تکسیر	۳۲
Geometry	علم الہندسہ	۳۳
Algebra	جبرومقابلہ(الجبرا)	۳۴
Trigonamatry	مثلثات(مسطح وکردی)	۳۵
Greek Arithmetie	ارثماطیقی	۳۶
Logarthim	لوگارتھم	۳۷
Almance	علم تقویم	۳۸
Numerology Cum Literology	علم جفر	۳۹
Geomaney	رمل	۴۰
Reconing of time	توقیت	۴۱
	اوفاق(علم الوفق)	۴۲
Astrology	نجوم	۴۳
Study in form of heavne	فلکیات	۴۴
Geoglogy	ارضیات	۴۵
Geodesy Survery(Mensuration)	علم مساحت الارض	۴۶
Geogrophy	جغرافی	۴۷
Physics	طبیعات	۴۸
Methaphysics	مابعدالطبیعات	۴۹
Chemistry	کیمیا	۵۰
Mineralogy	معدنیات	۵۲

Indigenius system of Medicine	طلب وحکمت	۵۲
Pharmacalogy	ادویات	۵۳
Botony(phylonomy)	نباتیات	۵۴
Statics	شماریات	۵۵
Political Ecnomy	اقتصادیات	۵۶
Ecnomic's	معاشیات	۵۷
Finance	مالیات	۵۸
Commerce	تجارت	۵۹
Banking	بینکاری	۶۰
Agriculture Education	زراعت	۶۱
Phonology(photies)	صوتیات	۶۲
Ecology (Environmetn)	ماحولیات	۶۳
Politics(Strategy)	سیاسیات	۶۴
Meteorology	موسمیات	۶۵
Weighing	علم الاوزان	۶۶
Civics	شہریات	۶۷
Pracficalism	عملیات	۶۸
Bio graphy of Holy Prophet	سیرت نگاری	۶۹
Citation	حاشیہ نگاری	۷۰
Comprsistion	نثر نگاری	۷۱
Schalia	تعلیقات	۷۲
Detailed Comments	تشریحات	۷۳
Research Study	تحقیقات	۷۴

Crutuqrue Philosophy	تنقیدات	۷۵
Rejection	ردات	۷۶
Poetry	شاعری	۷۷
Hamd & Naat	حمد ونعت	۷۸
Phylosophy	فلسفہ (قدیم وجدید)	۷۹
Logic	منطق	۸۰
Compose Achromonogram	تاریخ گوئی	۸۱
	علم الایام	۸۲
Interpretation	تعبیر الرویا	۸۳
Calligaphy	رسم الخط (نستعلیق،شکستہ ومستقیم	۸۴
Mythology	اساطیریات	۸۵
Oratory	خطبات	۸۶
Leeters	مکتوبات	۸۷
	ملفوظات	۸۸
Homily	پندونصائح	۸۹
	اذکار (اورادووظائف)	۹۰
	نقوش،تعویذات ومربعات	۹۱
Comparative Religins	علم الادیان	۹۲
	ردموسیقی	۹۳
Socialogy	عمرانیات	۹۴
Biology	حیاتیات	۹۵
Preference Study	مناقب	۹۶
Ethnology	علم الانساب	۹۷

Superlative Study	فضائل	۹۸
	زائروزائچہ	۹۹
	سلوک	۱۰۰
Mystagogy	تصوف	۱۰۱
Spritual study	مکاشفات	۱۰۲
Ethics	اخلاقیات	۱۰۳
History & Biography	تاریخ وسیرت	۱۰۴
	صحافت	۱۰۵
Zoology	حیوانیات	۱۰۶
Physiology	فعلیات	۱۰۷
Cosmilogy	علم تخلیق کائنات	۱۰۸
Prychology	نفسیات	۱۰۹
Scince Dealing writ Rhatorical (Divices)	علم البدیع	۱۱۰
Linguisus (Language)	لسانیات	۱۱۱
Arabic Persion,Hindi Poetry Compasition	نظم عربی وفارسی وہندی	۱۱۲
Old & Modern Astronomy	ہیئت (قدیمہ وجدیدہ)	۱۱۳
Geo-Physics	ارضی طبعیات	۱۱۴
Cycalogy	علم خلیات	۱۱۵
Law	قانون	۱۱۶
Take & Put Reference of Ordinacess	علم الاحکام	۱۱۷
Physiognomy (Phrevnology)	علم قافیہ	۱۱۸

عقل جلدی تسلیم نہیں کرتی ہے کہ ایک آدمی اور اتنے علوم کی ہما ہمی؟ مگر یہ تو بے نقاب زمینی حقائق ہیں انہیں تسلیم کرنا ہی ہے۔ یہ سارے علوم خود ان کی تصانیف کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ جوں جوں جدید علوم وتحقیق کی شمعیں جگمگا رہی ہیں نئے نئے فنون کی دریافت وبازیافت ہو رہی ہے، مستور علوم کی جلوہ نمائی سے شبہات کی تاریکی کافور ہو رہی ہے، خدا کرے وہ وقت جلد آئے کہ لوگ امام احمد رضا کو خود ان کی تصانیف کے اجالے میں دیکھنے کی مسعود کوشش کریں۔

مرجع عوام وخواص

یہ امام احمد رضا کی انفرادیت وممتاز خصوصیت ہے کہ آپ سے علمی تشنگی بجھانے والے مسائل میں الجھن دور کرنے والے یا اور بھی کسی معاملے میں قلبی تسکین پانے والے ایسے ایسے نابغہ، عبقری، جینیس، مفکر اور دانشور ہیں جو بجائے خود مرجع اور مصدر کی حیثیت رکھتے ہیں، مگر وہ بھی جب کسی مسئلہ میں حیران ہوئے ہیں تو آخر میں امام احمد رضا سے رجوع کیا ہے اور آپ نے مسائل کو دلائل کی چھلنی میں چھان کر اس طرح پیش کیا ہے کہ دیکھ دیکھ کر عش عش کر اٹھتے ہیں۔ یہ فہرست اتنی طویل ہے کہ اگر صرف علماء ومشائخ کے نام پتے ہی درج کیے جاہیں تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے، ہم یہاں نمونتاً چند اہم الاہم مشہور شخصیتوں کے نام پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱) حضرت سیدنا ابو الحسین احمد نوری مارہرہ مطہرہ رحمہ اللہ (۲) حضرت سیدنا ابراہیم گیلانی (۳) حضرت مولانا شیخ عبد اللہ مکی (۴) حضرت مولانا شیخ ابو الخیر مکی (۵) حضرت مولانا سید حبیب اللہ دمشقی (۶) حضرت مفتی سلامت اللہ رامپوری (۷) حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی (۸) حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری (۹) حضرت مفتی لطف اللہ علی گڑھی (۱۰) حضرت مفتی عبد المقتدر بدایونی (۱۱) حضرت

مولانا احمد حسین کانپوری (۱۲) حضرت مولانا عبد السمیع صاحب مصنف انوار ساطعہ (۱۳) حضرت مولانا نثار احمد صاحب، کانپوری (۱۴) حضرت مولانا عبد السلام، جبل پوری (۱۵) حضرت ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری (۱۶) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب شافعی افریقی (۱۷) حضرت مولانا عبد الحمید صاحب، بنارس (۱۸) حضرت مولانا عبد العلی صاحب، مدراسی (۱۹) حضرت مولانا عبد العلیم صاحب ڈربن، جنوبی افریقہ (۲۰) حضرت مفتی عبد القادر صاحب، رامپوری (۲۱) حضرت مفتی امجد علی صاحب اعظمی (۲۲) حضرت مولانا بشیر احمد صاحب علی گڑھ (۲۳) حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری (۲۴) حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب، مراد آبادی (۲۵) حضرت مولانا رحم الٰہی صاحب منگلوری (۲۶) حضرت مولانا سید احمد اشرف صاحب، کچھوچھوی (۲۷) حضرت مولانا نور محمد صاحب ولایتی (۲۸) حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب پرتگالی (۲۹) حضرت مولانا امام الدین صاحب، کشمیری (۳۰) حضرت مولانا صلاح الدین صاحب، پشاوری (۳۱) حضرت مولانا سید محمد صاحب محدث، کچھوچھوی (۳۲) حضرت مولانا عبد الرحمان اعظمی (۳۳) حضرت مفتی لطف اللہ صاحب (ریاست رامپور) (۳۴) حضرت مولانا طاہر محمد صاحب کوچین مالابار (۳۵) حضرت مولانا نجم الغنی صاحب، رامپوری (۳۶) حضرت مولانا غلام قطب الدین صاحب، برہمچاری (۳۷) حضرت مولانا سید ظہور اللہ صاحب، ٹونکی (۳۸) حضرت مولانا محمود الحسن صاحب، گوالیار (۳۹) حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب، مدرسہ معینیہ اجمیر شریف (۴۰) حضرت مولانا شیر محمد صاحب جاگلی (۴۱) حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب، چاٹ گام، بنگلہ دیش (۴۲) حضرت مولانا علی احمد صاحب مصنف تہذیب البیان (۴۳) حضرت مولانا عبد الحمید صاحب، مصنف کنز الآخرۃ (۴۴) حضرت مولانا انور الدین صاحب سلہٹی (۴۵) ایم، ایم داؤد احمد صاحب، جنوبی افریقہ (۴۶) جناب عبد الغفور صاحب، برٹس گائنابر

آرلیٹرس ہال وینچ ایسٹ (۴۷) حاجی عبداللہ صاحب، بلندی افریقہ (۴۸) جناب
قادر بخش صاحب، چوہر کوٹ، بارکھان، بلوچستان (۴۹) حاجی یعقوب علی صاحب
بلندی، افریقہ (۵۰) جناب محمد اسحاق صاحب سکریٹری، انجمن محمدیہ کوچین مالا بار
(۵۱) جناب محمد دین صاحب جسٹس چیف کورٹ، بھاول پور (۵۲) جناب ممنون حسن
صاحب، ڈپٹی کلکٹر، بنارس (۵۳) جناب محسن خاں صاحب، منصف بجنور (۵۴)
حضرت مولانا سراج احمد خاں صاحب خان پور، پاکستان (۵۵) حضرت الشاہ خاکی
بابا صاحب، مظفر پور (۵۶) حضرت محدث احسان علی صاحب محدث اعظم، بہار۔

وہ شخصیت کیسی آفاقی اور جامع العلوم ہوگی درج بالا شخصیات جن سے رجوع
کرتی ہوں۔ فتاویٰ رضویہ کی ۱۲ جلدوں میں جن کے سوال اور پھر امام احمد رضا کے
جواب آج بھی اس بات کا اعلامیہ ہیں ہے کہ امام احمد رضا صرف برصغیر کے نہیں بلکہ
پوری دنیا کے مرجع عوام وخواص تھے، اور پھر ان سے استفتاء کرنے والے صرف حنفی یا
قادری نہیں شریعت وطریقت کے جملہ سلاسل کے حاملین کے لیے وہ تنہا مرکز دائرہ
علوم ومعارف تھے اور بات یہ بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ ان کے سائلین میں صرف سنی
حضرات نہیں بلکہ حزب مخالف کے بڑے بڑے مفتی بھی اعلیٰ حضرت سے استفادہ
کرتے تھے اور امام احمد رضا سب کو اپنے علمی، فقہی فیض وفیضان سے نوازتے تھے۔

پیش کردہ فہرست میں نام کے ساتھ مقام پر غور کیجیے تو آپ محسوس کریں گے کہ
وہ بیک وقت۔ بالاتفاق اور علی الاطلاق پوری دنیا کے مرجع تھے، تن تنہا ان کی ذات
مرکز اسلام وسائنس بھی تھی اور مرکز دین وسنیت بھی اور مرکز اصلاح وہدایت بھی آج
آپ کی ذات کی نسبت سے آپ کا شہر بریلی بھی مرکز اہل سنت سے پکارا اور یاد
کیا جاتا ہے بلکہ اب تو مذہب ومسلک اہل سنت وجماعت کی سب سے محفوظ اور
مضبوط تعبیر ''لفظ بریلوی'' ہے، اس لفظ کے بولتے ہی شریعت وطریقت کے تمام
مسالک وسلاسل کا چمن زار گل نو بہار کی عطر بیزی کرنے لگتا ہے، غرض کہ اس وقت

حنفی وشافعی، مالکی وحنبلی قادری وچشتی، سہروردی ونقشبندی کے متحدہ پلیٹ فارم کا نام
''بریلوی'' ہے۔ امام احمد رضا کی شان مرجعیت کل کی طرح آج بھی سلامت ہے،
بریلی شریف اب بھی ہر علمی وعملی پیاس بجھانے والوں کا مرجع ومرکز ہے۔

مرکز اہل سنت پہ لاکھوں سلام

کچھ عاقبت نااندیشوں کو اب بریلی شریف کی مرکزیت کھٹکنے لگی ہے، وہ بریلی
شریف کی مرجعیت پر کڑھن اور گھٹن محسوس کرتے ہیں، اس پس منظر میں وہ نئے
مرکزی قبلہ کی تلاش میں ہیں، قبلہ ہی کے تعین کی فکر میں کبھی مسلک اعلیٰ حضرت، کبھی
بریلویت اور کبھی بریلی کی مرکزیت کو مختلف حیلے بہانے سے مشتبہ کرنے کی مذموم
کوشش کرتے ہیں، اور تعجب یہ ہے کہ یہ لوگ حسب ضرورت وموقع بظاہر ہی سہی
مسلک اعلیٰ حضرت کا دم بھی بھرتے ہیں، اس مسئلے پر تو ہم ان شاء اللہ اس کتاب کے
دوسرے باب میں مفصل اور مدلل بحث کریں گے یہاں اتنا سمجھ لیجیے کہ انسان کی
زبان کو دل کا ترجمان ہونا چاہیے، دل اور زبان میں جب تک موافقت اور تال میل
نہ ہو ارباب علم اسے منافقت فی العمل سے تعبیر کرتے ہیں، اعلیٰ حضرت سے محبت
امام اہل سنت کے تناظر میں ہونی چاہیے، چوں کہ دور حاضر میں ایمان اور نفاق کے
درمیان نشان امتیاز صرف اعلیٰ حضرت سے نسبت ومحبت ہے اور اعلیٰ حضرت سے سچی
محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی فکر ونظر سے محبت ہونی چاہیے، ان کے مسلک ومشرب
سے محبت ہونی چاہیے۔ ان کے شہر ووطن اور دیار وآثار سے محبت ہونی چاہیے۔

اور اعلیٰ حضرت سے سچی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کے شہزادوں، نور دیدوں
سے محبت ہونی چاہیے۔ حضور حجۃ الاسلام سے محبت ہونی چاہیے۔ حضور مفسر اعظم
سے محبت ہونی چاہیے۔ اور اعلیٰ حضرت سے سچی محبت کا تقاضہ یہ ہے ان کے پرتو
خاص حضور مفتیٔ اعظم سے محبت ہونی چاہیے اور اس وقت اعلیٰ حضرت کے علم وعمل
کے سچے وارث جانشین مفتیٔ اعظم حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری

صاحب قبلہ سے محبت ہونی چاہیے۔ تاج الشریعہ سے کینہ رکھ کر اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام، مفسر اعظم، اور مفتی اعظم کی رضا و خوشنودی کا خیال خیالِ خام ہی رہے گا۔
اس لیے عرض ہے ع

وابستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

جہانِ دین و دانش

رب قدیر کی بھی عنایتیں بھی کیسی نرالی اور انوکھی ہیں اس نے اپنے کرم کی جوتِ اور فضل کی روشنی سے اپنے بندوں کو کبھی محروم نہ رکھا جب دیکھئے ایک نئی بہار جدھر دیکھئے جلووں کا انبار جیسے دیکھئے مترنم نغموں کی بوچھار گلستان بکنار نظر آتی ہے۔ نبوت کا دروازہ بند ہوا رسول رحمت قصر نبوت کی آخری اینٹ بن کر تشریف لے آئے جب تک رسولوں کے مقدس قافلے تطہیر فکر و عمل اور تعمیر ملت کے لیے تشریف لاتے رہے اصلاح وارشادان کے منصب کی ذمہ داری رہی اور اس طرح ظلمات چھٹتے رہے، روشنی پھیلتی رہی بدعات مٹتے رہے اور دین و دانش کی باد بہاری چلتی رہی۔ حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد وہی ذمہ داری علما پر عائد ہوئی اور وہی کام جو پہلے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے انجام پاتا رہا اب وارث انبیا کے ذریعے پانے لگا جب سے اب تک یہ سلسلہ جاری ہے اور نبوی ارشاد کی روشنی میں یونہی جاری رہے گا۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی اسی درخشندہ سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ رسول رحمت کے خصوصی اکرام ونوازشات نے آپ کو اصلاح وارشاد تبلیغ وہدایات علوم وفنون اور ان کی دینی تشریحات کے جوہر سے ایسا مزین فرمایا کہ دیکھتے ہی دیکھتے۔ آفاق عالم پر جامعیت منقول ومعقول کی گھنگھور گھٹا بن کر چھا گئے اور اصلاح وارشاد کی موسلا دھار بارش بن کر کشت زار دین ودانش پر برسنے لگے مرجھائی کلیوں میں نئی

زندگی آئی کمہلائے پودوں سے نئی کونپیں پھوٹیں اور خزاں رسیدہ چمن مژدہ نو بہار سنانے لگا۔ دنیا کا وہ کون سا گوشہ ہے جہاں آپ کے فیض کا اجالا نہ پہنچا اور وہ کون سا خطہ ہے جہاں آپ کے جلووں کی چاندنی نہیں پھیلی، علم کی ہر شاخ فن کی ہر کڑی اور فکر کے ہر پہلو کو آپ نے توانائی بخشی۔ شبستانِ خیال جگمگ کرنے لگے۔ گلزارِ عقائد تازہ رنگ وبو پا کر کھلکھلا اٹھے۔ تصورات کی دنیا میں حسین انقلاب آیا گردشِ ایام نے خوشگوار کروٹ لی اور وادی پربت، پربت جھوم جھوم کر خوشی کے گیت گانے لگے۔

امام احمد رضا فکر ونظر کا نقطۂ عروج بن کر ابھرے اور بزم کائنات نے حاشیے اور دائرے کی شکل میں انہیں اپنی آغوش میں لے لیا جیسے مہ کامل کو ستاروں نے ہالے کی شکل میں لے لیا ہو۔ کیا سندھ کیا ہند کیا مشرق کیا مغرب کیا عجم یا عرب جسے دیکھئے کھنچا چلا آ رہا ہے۔ اگر عرب کی شمع پر عجم پروانہ وار نثار ہو جائے تو چنداں جائے تعجب نہیں ہے اس لیے کہ عرب اسلام کا نقطۂ آغاز وعروج ہے۔ مرکز ایمان ویقین محور دانش ودین اور آرام گاہ سید العاشقین ہے جائے تعجب یہ ہے اور عقل اس وقت حیرت فروش ہو جاتی ہے جب ہم ہند کی ایک شمع پر عرب کو منڈلاتا دیکھتے ہیں یہ شمع جمال محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا کمال ہے کہ جو پروانہ اس ایک شمع کا سچا دیوانہ ہو جائے اپنی ہستی کو دیدار محبوب کی مستی میں فنا کر دے، دنیا سمجھتی ہے کہ وہ مٹ گیا مگر اس شمع کی رحمت بھری کرن اسے مٹنے نہیں دیتی مٹتے مٹتے ایسا جاں نواز بنا دیتی ہے کہ کل تک جو خود پروانہ تھا آج شمع کا روپ دھار لیتا ہے اور اب دنیا اس کے گرد پروانہ وار نثار ہونے لگتی ہے۔ امام احمد رضا وہی پروانہ شمع جمال محمدی ہیں جو ماہ رسالت کے لیے پروانہ اور محفل امت کے لیے شمع کی حیثیت رکھتے ہیں کل کہتے تھے۔

جان ودل ہوش وخرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

اور آج مقدس مزار کے گنبد ومینار سے یہ پیغام نشر ہو رہا ہے:

ہمارے دردِ جگر کی کوئی دوا نہ کرے　　　کمی ہو عشق نبی میں کبھی خدا نہ کرے

تیرہ ساڑھے تیرہ سال کا ایک نوجوان دین ودانش کے ہتھیار سے لیس ہو کر ہاتھ میں شریعت کا اصول لئے گلے میں طریقت کا پٹہ ڈالے، سر پر عشق رسالت کا تاج سجائے آگے بڑھتا ہے اور اپنے فن کا وہ جوہر دیکھاتا ہے کہ نظریں خیرہ ہوجاتی ہیں، کیا اپنا کیا پرایا، کیا بچہ کیا بوڑھا، کیا اجنبی کیا آشنا، سب نے کہا کچھ بھی ہو وہ قلم کا بادشاہ ہے، عشق کا مجسمہ ہے رحمت الٰہی کا فیضان ہے اور جب اس نے صفحہ قرطاس پہ حقائق ومعارف کے لعل و گہر لٹانے شروع کیے تو اس فیاضی سے لٹائے کہ آج تقریباً سو سال کا لمبا عرصہ بیت گیا مگر ان کے فن کے اداشناسوں کو یہ اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ اس دریا کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ یہ تو اس بحر کے لہر اور اس دریا کے نہر کی باتیں ہیں۔ بعض جواہرات تو ایسے ہیں کہ ان کی چمک سے جلوؤں کا سویرا ہے۔ ان کی شخصیت کی صحیح پہچان اور ان کی سیرت کا واقعی عرفان اسی وقت ہوسکتا ہے جب ان کی تمام تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ ہوجائیں۔ ابھی تو نصف سے بھی کم ہی کو طباعت کی زینت نصیب ہوئی ہے۔ وہ نابغہ دانشور اور دانشوروں کے جھرمٹ میں ممتاز دیدہ ور تھے، دین ودانش کی ہر جہت پر بیک وقت ان کی نظر تھی۔ اس لیے انہوں نے صرف دین کی زلف پریشان کی، زیبائی نہیں کی بلکہ دانش کے ملگجے چہرے کو بھی رعنائی بخشی۔ اور ایسا کیوں تھا اس لیے کہ وہ حاذق فقیہ تھے۔ فقہ کی تمام باریکیاں اور فقہیہ کی تمام خوبیاں ان میں موجود تھیں۔ پروفیسر مجید اللہ قادری فقہ اور فقہیہ کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں۔

”تمام علوم میں فقہ وہ علم ہے جس کو تمام فنون کا مغز قرار دیا جاسکتا ہے اور ایک فقیہ کے اندر یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ جب کبھی اس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جائے وہ اس کا فوری حل پیش کردے، کیوں کہ ایک فقیہ نہ صرف علم قرآن وحدیث پر ہی عبور رکھتا ہے بلکہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے تمام سمتوں میں اس کی گہری نظر ہوتی ہے۔[۱]“

آپ اپنے دور کے وہ منفرد فاضل ہیں جن کی نظریں مسائل کی تہہ تک تعاقب کرتی تھیں، آپ کا سائل آپ سے مطمئن بھی ہوتا تھا اور متاثر بھی، اسی لیے ان سے استفادہ کرنے والوں میں خانقاہ کے سجادہ نشیں بھی ہیں اور درسگاہ کے مدرسین بھی، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ بھی ہیں اور جامعات کے علماء وفضلا بھی۔ مکاتب ومدارس کے نکتہ داں بھی ہیں اور عدالت کے حکمراں بھی۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہوجاتی، یا جواب تو ملتا مگر تسلی نہیں ہوتی۔ تو لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے پھر کیا تھا امام احمد رضا کا قلم چلتا اور دلائل وبراہین کے انوار سے سائل کا دامن مراد بھر جاتا۔ ان کی تحریر میں مادۂ انقلاب، ان کی باتوں میں سحر آفرینی، ان کے افکار میں تسخیری طوفان اور قوت تخیل میں ایسی غیر معمولی کشش تھی کہ نظریں غبارِ راہ تحقیق کا بوسہ لیتیں اور دل بچھ بچھ جاتے اور غیر محسوس طور پر جبین عقیدت خراج محبت لٹانے لگتی، نامور مفتی، جلیل القدر فقیہ مولانا سراج احمد (متوفی، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۲ء) آپ بیتی بیان فرماتے ہوئے گہر ریز ہیں:

”رسالہ میراث کی تالیف کے وقت ایک مسئلہ میں الجھن پیدا ہوگئی۔ علمائے دہلی، دیوبند، سہارنپور کو لکھا مگر شافی جواب نہ ملا، ناچار مولوی احمد رضا خاں صاحب کو بھی لکھا، انہوں نے بڑا مدلل اور مشرح جواب عنایت فرمایا جس سے پوری تشفی ہوگئی اور شکوک وشبہات رفع ہوگئے۔ اس جواب کو دیکھنے کے بعد، مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ کے متعلق میرا انداز فکر یکسر بدل گیا، اور ان کے متعلق ذہن میں جمائے ہوئے خیالات کے تار وپود بکھر گئے۔ ان کے رسائل اور دیگر تصنیفات منگوا کر پڑھے تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے سامنے سے غلط عقائد ونظریات کے سارے حجابات آہستہ آہستہ اٹھ رہے ہیں۔“[۲]

پھر وہ وقت بھی آیا کہ انہوں نے عقائد دیوبند سے توبہ کیا اور عقائد اہل سنت

قبول کرلیا۔باوجود یکہ اس چاند کو غبار آلود کرنے کی انتھک کوشش کی گئی۔اس کی پھیلتی خوشبو کو لوگوں نے مقید کرنا چاہا۔اس کی آواز سننے اور نہ سنانے کی قسمیں کھائی گئیں،وعدے لیے گئے،مگر روشنی پھیلتی اور خوشبو بکھرتی ہی رہی۔کھل کے نہ سہی،دبے لب ولہجہ میں ہی سہی سب نے کہا کہ وہ کانٹوں میں ایک پھول ہے۔پھولوں میں گل رعنا ہے۔بزم گیتی میں اس کی ذات ایک سوال ہے اور دنیا کے لاینحل سوالوں کا تنہا وہ ایک جواب ہے۔احمد رضا سب کا دوست تھا چوں کہ سب کا حاجت روا تھا۔اور حاجت روا دشمن نہیں ہوتا۔اسی لیے عقائد سے لے کر اعمال تک وہ سب کی اصلاح چاہتا تھا،بدعملی پر کڑھتا اور بدعقیدگی پر تڑپتا تھا،اپنے وجود کو خطرے میں ڈال کر بھی وہ کوشاں رہتا کہ عقیدے کی تطہیر اور ایمانی بنیادوں پر عمل کی تعمیر ہوجائے وہ سراپا درد تھا،پوری ملت کا دردمند تھا۔اس کے قلم کی زد پر جو بھی آتا گھائل ہوجاتا۔اور گھائل ہوکر آتا تو احمد رضا پیار کا مرہم رکھتے،محبت کی شبنم پاشی کرتے۔وہ اپنے زمانے میں دین ودانش دونوں کا بیک وقت مرجع تھا،مگر اپنی ذات کو اس نے شہرت وریا کی آلائش سے ہمیشہ بےلوث رکھا،اس کے چمنستان جلوت وخلوت میں پھول ہی پھول ہیں۔خوشبو ہی خوشبو ہے۔اس کے وسعت علمی،صلابت فکری کی دھمک حکومت کے ایوان تک جاپہنچی تھی جبھی فاضل جج محمد دین صاحب نے کامل تشفی بخش جواب کے لیے ہر طرف سے مایوس ہوکر آپ سے رجوع کیا تھا،آپ کے شاہکار مجموعہ فتاویٰ،فتاویٰ رضویہ کی جلد دہم میں وصیت اور موصی بہ بالزاید کے رد علی احد الزوجین پر ترجیح کے بارے میں ایک نہایت ہی معرکۃ الآرا فتویٰ ہے جو صفحہ ۱۹۵ سے ۲۶۰ یعنی ۵۷ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اسی مسئلہ کے جواب میں دیگر آٹھ مفتیوں کے جوابات بھی ہیں جو ۲۱ صفحات پر مشتمل ہیں،اور تنہا آپ کا جواب ۵۴ صفحات پر محیط ہے،خاص بات یہ ہے کہ آٹھوں مفتیوں میں سے ہر ایک کے فتویٰ میں کچھ نہ کچھ اختلاف یا تضاد تھا،تو چیف کورٹ

ریاست بھاولپور کے جج جناب محمد دین صاحب نے اس استفتاء اور تمام مفتیوں کے فتوؤں کو امام احمد رضا قدس سرہٗ کے پاس بھجوایا اور ان الفاظ میں ہدایت کی!

''یہ سوالات جو ابھی تک تصفیہ طلب ہیں نقول فتاویٰ کے ساتھ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرسل ہوں اور التماس کی جائے کہ ان تمام فتاویٰ کو ملاحظہ فرما کر اپنی رائے مع اسناد مرحمت فرمادیں ،مبلغ ۵ روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجوادیے جائیں۔''[۳]

اعلیٰ حضرت نے تمام فتاویٰ کو ملاحظہ کرکے یہ حقیقت افروز شبہات سوز تحریر زینت قرطاس کیا:

''الحمد اللہ یہاں فتویٰ پر فیس نہیں لی جاتی۔ان اجری الا علیٰ اللہ رب العالمین۔ منی آرڈر واپس کردیا،سوالات اور اس کے متعلق آٹھ فتوے ملاحظہ ہوئے۔مفتیوں کے نام نہ لکھنا عجب نہ تھا کہ ایک فتویٰ میں دوسرے کا ذکر تھا،لکھ کر محو کردیا گیا،یہاں ان سے کوئی بحث نہیں۔بحمد اللہ یہاں مسائل میں نہ کسی دوست کی رعایت ہے نہ کسی مخالف سے ضد اور نفسانیت مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ نے لایخافون لومۃ لائم سے بہرہ وافر عطا فرمایا ہے،وللہ الحمد اسی بنا پر افسوس سے گذارش ہے کہ آٹھوں فتوؤں میں اصلاً ایک بھی صحیح نہیں،اکثر سراپا غلط اور بعض مشتمل براغلاط۔[۴]

اعلیٰ حضرت نے اس مسئلہ سے متعلق ۱۲ افاضات تحریر فرمائے اور ایک افادے کے تحت مجموعی ۲۷ فائدے،اور ۱۲۴ تفریعات ہیں،تفریعات میں خاص فتاوے کی اغلاط کی نشان دہی ہے۔پھر آخر میں استفتاء کا جواب،پھر حکم اخیر کے عنوان کے تمام جوابات کے اجمالی احکام ہیں۔۵۔

کیا علمی استحضار،فقہی جامعیت اور تنقیدی شان ہے کہ آپ کی ہر تحریر،تحریر

آخر کا درجہ رکھتی ہے۔اب اس کے بعد نہ سائل کو کچھ کہنے کی گنجائش ہے نہ دیگر مستفسرین کو لب کشائی کی مجال، گویا آپ کے فتاویٰ خاتم الفتاویٰ ہیں، مہر لگ گئی اب نہ جرأت گفتار کا موقع ہے نہ جسارت تحریر کی۔ جہاں اوروں کے پرواز علم کی انتہا ہے وہاں سے آپ کے پرواز علم کی ابتدا ہے۔ان کے چمکتے فتوؤں اور مہکتے تصفیوں سے جیسے آواز آرہی ہے۔ع

ہے ابتدا ہماری تیری انتہا کے بعد

وہ اپنے معاصرین کا مذہبی نقاط نظر کی روشنی میں حساب رکھتے تھے اور احتساب کرتے تھے اگر کسی سے فکری لغزش ہوگئی تو فوراً خط لکھ کر متنبہ کرتے ،غلطیوں کی نشان دہی فرماتے، جواب نہیں آتا تو جوابی رجسٹری بھیجتے، ٹیلی گرام کرتے جواب آتا اور اس میں اگر ٹال مٹول یا صفائی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہوتی تو تفصیلی وضاحت طلب خط لکھتے اور جب ہر طرح سے مایوس ہو جاتے تو اطلاع دے کر شرعی حکم صادر فرما دیتے۔۶

وہ کیسے حساس متحرک اور مخلص تھے کہ غلطی کسی سے ہو بے چین ان کا دل ہوتا تھا اور اس وقت تک آپ کو قرار نہیں ملتا جب تک اتمام حجت نہ فرما لیتے اور اگر کوشش بارآور ثابت ہوتی تو پھر مت پوچھئے ان کی خوشی کا عالم جیسے گنجہائے گرانمایہ ہاتھ آگیا ہو جیسے کھوئی ہوئی عزیز شی مل گئی ہو جیسے روٹھا ہو محبوب تبسم ریز ہو گیا ہو جیسے خزاں رسیدہ چمن پر بہاروں کے قافلے اتر پڑے ہوں ان کی حیات وسوانح کا قاری جب ان کی سیرت کی ان کیفیتوں کے جھونکے سے گزرتا ہے تو محسوس کرتا ہے جیسے موصوف کے جسم میں عالم انسانیت کا دل دھڑکتا تھا۔ ہر دینی کرب ومذہبی اضطراب کو وہ اپنا ہی درد سمجھتے تھے اور بات مذہب کی ہو یا سیاست کی منقولی ہو یا معقولی دین کی ہو یا دانش کی وہ سب پر یکساں عقابی نظر رکھتے تھے اسی لیے ان کی چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سے بڑی تصانیف میں موزونیت معقولیت اور معروضیت کی کارفرمائی ہے کہیں پر بھی کسی بھی فن میں انکا شہوار قلم تیز گام ہو بھول تو دور کی بات

ہے کوئی جھول تک محسوس نہیں ہوتا وہی انداز وہی تگ وتاز جو ایک جگہ ہے متنوع جلوؤں کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے احقاق حق میں دوست اور دشمن سب بلا امتیاز حضرت مولانا عبد الباری لکھنوی بڑے مخلص دوست تھے انہیں فاضل اکمل کے خطاب سے آپ یاد فرماتے لیکن جب خلافت کمیٹی اور اس کے لیڈروں کی حمایت میں مولانا نے قولاً تحریراً خلافِ شرع باتیں کہیں تو فاضل بریلوی نے بذریعہ مراسلت ان کو آگاہ فرمایا پہلے خط کے ذریعے اور پھر رسید طلب رجسٹری کے ذریعہ مسلسل یاددہانی فرماتے رہے۔اپنے عزیز شاگرد وخلیفہ مولانا سید محمد ظفر الدین کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں ''مولوی عبد الباری کو تین رجسٹریاں رسید طلب گئیں ڈاک کی رسیدیں آگئیں مگر ادھر شہر خموشاں ہے۔ے

اور جب اس مکاتبت کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔مولانا نے تحریری طور پر اپنے کفریہ کلمات سے توبہ کرلی، تو پھر مولانا ظفر الدین کو اطلاعاً تحریر فرماتے ہیں:

''مبارک، مبارک، مبارک مولانا عبد الباری صاحب نے ایک سوایک اور ان کے امثال سے توبہ چھاپ دی۔ملاحظہ ہو'ہمدم''۱۱ رمضان المبارک بروز جمعہ ۲۰ مئی ۱۹۲۰ء۔''

پھر اس کے بعد مولانا کا توبہ نامہ تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے بہت گناہ دانستہ کیے اور بہت سے نادانستہ سب کی توبہ کرتا ہوں ۔اے اللہ میں نے جو امور قولاً وفعلاً تقریراً تحریراً بھی کیے ہیں جن کو میں گناہ نہیں سمجھتا تھا۔مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ان کو کفر، ضلال، یا معصیت ٹھہرایا۔ان سب سے اور ان کی مانند امور سے ،جن میں میرے مرشدین اور مشائخ سے میرے لیے کوئی قدوہ نہیں ہے۔محض مولوی صاحب موصوف پر اعتماد کر کے توبہ کرتا ہوں ۔اے اللہ میری توبہ قبول فرما، فقیر عبد الباری عفی عنہ۔''

اب مولانا سید محمد ظفر الدین کو خوشخبری دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقیر کی رائے میں فوراً ایک جلسہ تہنیت مولانا مولوی عبد الباری صاحب لکھنوی چھاپ کر وہاں بھی کیا جائے اور جلسے ومبارک بادی کا تار مولانا مولوی عبدالباری صاحب کو دیا جائے۔''[۸]

اس واقعہ سے ایک طرف امام احمد رضا کی حق گوئی و بے باکی، جہد مسلسل اور صداقت کوشی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، تو دوسری طرف اس زمانے کے حق بین، حق پسند علما کی سیرت کا یہ پہلو بھی ابھر کر سامنے آتا ہے کہ وہ ذوات عالی صفات اپنی شخصیت عرفی اور حیثیت مجموعی کی پرواہ کیے بغیر سماع قبول سے صدائے حق سنتے، اور رضائے حق کے لیے لغزشوں پر نادم ہو جاتے، یہ نہیں دیکھتے کہ کون کہہ رہا ہے، یہ دیکھتے کہ کیا کہہ رہا ہے۔ بات اگر معقولی وزنی ہے تو نہاں خانۂ دل سے ندامت کے چشمے پھوٹ پڑتے۔ اور کوئے چشم سے آنسو بن کر بہنے لگتے۔ رہنما اور رہ نورد دونوں قابل احترام اور داد وتحسین کے مستحق ہیں۔ امام احمد رضا کے اس منصفانہ، غیر جانب دارانہ، اور بے باکانہ انداز پر انہیں بہت کچھ سننا اور سہنا پڑا۔ گالیوں اور نازیبا جملوں سے بھرے ہوئے خطوط بھی آئے۔ کچھ احباب نے اس طرف توجہ مبذول کرانے کی کوشش بھی کی مگر کیا مجال کہ اس مرد حق کی پیشانی پر کوئی ہلکا سا بل بھی آجائے۔ فرماتے کہ یہی سعادت میرے لیے کچھ نہیں کہ حق کے لیے ڈھال اور تحفظ ناموس دین کے لیے میں سپر بن جاؤں، تاہم اس جرأت مومنانہ نے اپنی اثر آفرینی بھی دکھائی۔ مومنوں کے قلوب کو آپ کی محبت کا فرش بنا دیا۔ عجم سے عرب تک چاہنے والوں کی قطار لگ گئی پروانوں کی بھیڑ میں تنہا وہ ایسی شمع تھا کہ جو قریب آتا حبیب ہو جاتا اس کی تیغ علم وعشق سے جسم بعد میں جان پہلے متاثر ہوتی تھی کیوں نہ ہو وہ غیرت علم کی آبرو تھا حمیت عشق کی تصویر تھا اور تحفظ شان الوہیت ورسالت کے حوالے سے وہ پوری قوم وملت کی تابندہ، تقدیر تھا اس کی پیشانی کی

سلوٹوں سے انوار باری جھلکتا تھا۔ شیخ صالح کمال مکی رحمہ اللہ علیہ نے پہلی ہی ملاقات میں بغیر کسی سابقۂ تعارف کے کہا انی لاجد نور اللّٰہ فی ہذا الجبین میں اس پیشانی میں خدا کا نور دیکھ رہا ہوں (الملفوظ)

دین ودانش کی مجلس میں جب بھی وہ جلوہ گر ہوا میر مجلس ہی رہا ہر محفل علم و نور میں وہ حاصل محفل سمجھا گیا ماہر رضویات حضرت پروفیسر مسعود احمد مظہری رقم طراز ہیں فاضل بریلوی کے پہلے سفر حج کے دوران علمائے حرمین کافی متاثر ہو چکے تھے پھر جب علماء کے سامنے آپ کے فتوے پیش کیے گئے ہیں تو ان کو آپ کی تبحر علمی اور قوت استدلال کا اندازہ ہو اآپ کی عظمت کا سکہ ان کے دلوں پر بیٹھ گیا چنانچہ جب دوسری بار حج پر تشریف لے گئے تو غیر معمولی اعزاز واکرام سے نوازے گئے۔[۹]

آپ کا دوسرا سفر حج بیش بہا عجائب دلچسپ واقعات اور اچھوتے مشاہدات کا مرقع ہے جس کا ذکر آپ نے خود الملفوظ حصہ دوم میں کیا ہے اور جو ۳۸ صفحات پر بسیط ہے، ہم ان میں سے صرف دو تین نوادرات تبرکاً ملخصاً نقل کرتے ہیں اپنے گھر میں تو سب کے منہ میں زبان ہوتی ہے اپنے ماحول میں سب بولتے ہیں دوست واحباب کی محفل میں گلستان خیال سجائے جاتے ہیں لیکن اپنے وطن سے دور بہت دور سمندر پار جا کر بولنا ارباب دین ودانش کی مجلس میں زبان کھولنا جن کا طوطی بولتا ہو، سکے چلتے ہوں فضل وکمال کے خطبے پڑھے جاتے ہیں ان کی بزم میں چہکنا علمی مذاکرہ کرنا اور دلائل کے زور سے مسائل کو پانی پانی کر کے اصحاب زبان وبیان کو حیران وششدر کر دینا اور حقائق کے اجالے میں لا کر انہیں اپنا والہ اور شیدا کر لینا اس سفر حج کا خلاصہ اور دل آویز یادگار ہیں۔ اہل عرب آپ کی عربی دانی طلاقت لسانی سلاست زبان فصاحت بیان اور حذاقتِ برہان دیکھ کر عش عش کرا ٹھے۔ دلائل کے ہجوم اور حوالوں کے ماہ نجوم سے فکر ونظر کے ماتھے پر پسینہ آ گیا علم دوست

ادب نواز جھوم جھوم اٹھے اور سب نے بڑھ کر آپ کی پزیرائی کی سر برآوردہ جتنے
مسائل پر علماء عرب تبادلہ خیال کر چکے تھے، یا کرنے والے تھے بالاتفاق سب کا
مرجع امام احمد رضا بن گئے۔ وہ منظر کتنا روح پرور اور کیف آور ہوگا جب علم کے
پہاڑوں عمر کے بوڑھوں کے بیچ ایک ہندی نوجوان فاضل عقائد اہل سنت اور افکار
قوم وملت کی نمائندگی کر رہا ہوگا۔ اس زمانے کی دو شاہ کار تصنیف آپ کی یادگار ہیں
ایک الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ ۱۳۲۳ھ اور دوسری کفل الفقیہ الفاہم فی احکام
قرطاس الدراہم ۱۴۳۴ھ اول اول الذکر علم غیب مصطفے پر تحقیقی شاہکار ہے۔
جب کہ دوسری کرنسی نوٹ سے متعلق حرف آخر، جیسا کہ کتاب کا موضوع کتاب
کے نام سے ظاہر ہے فاضل بریلوی کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ جہاں کتاب
کے نام سے کتاب کے موضوع کا پتا چلتا ہے وہیں سن تصنیف بھی مستخرج ہوتا ہے
اور یہ خوبی ہزار کے قریب آپ کی تصنیفات میں سے معتدبہ کے ساتھ ہے الدولۃ
المکیہ کا پس منظر یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے شریف مکہ تک رسائی پیدا کی مسئلہ علم غیب کو
حکومت کی سطح سے اٹھانا چاہا اور اسکے متعلق کچھ سوالات علماء مکہ کی خدمت میں پیش
کی پھر کیا ہوا تفصیل فاضل بریلوی کی زبانی سنئے۔

”۲۵/ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کی تاریخ ہے بعد نماز عصر میں کتب خانہ کے
زینہ پر چڑھ رہا ہوں کہ پیچھے سے ایک آہٹ معلوم ہوئی ہے دیکھا تو
حضرت مولانا صالح کمال ہیں۔ بعد سلام ومصافحہ دفتر کتب خانہ میں جا
کر بیٹھے۔ وہاں حضرت مولانا سید اسماعیل اور ان کے نوجوان سعید رشید
بھائی، سید مصطفیٰ، اور ان کے والد سید خلیل اور بعض حضرات بھی تشریف
فرما ہیں۔ حضرت مولانا صالح کمال نے جیب سے ایک پرچہ نکالا جس
پر علم غیب سے متعلق ۵ سوالات تھے، مجھ سے فرمایا یہ سوال وہابیہ نے
حضرت سیدنا کے ذریعے پیش کیے ہیں۔ اور آپ سے جواب مقصود

ہے۔ کل سہ شنبہ ہے۔ پرسوں چہار شنبہ ہے، ان دو روز میں ہو کر پنج
شنبہ کو مجھے مل جائے کہ میں شریف کے سامنے پیش کر سکوں، جس کا شہرہ
مکہ معظّمہ میں ہوا کہ وہابیہ نے فلاں کی طرف سوال متوجہ کیا ہے۔ اور وہ
جواب لکھ رہا ہے۔ فضل الٰہی اور عنایت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم
نے کتاب کی تکمیل تبیض سب پوری کرادی ”الدولۃ المکیہ بالمادۃ
الغیبیہ“ اس کا تاریخی نام ہوا اور پنج شنبہ کی صبح ہی کو حضرت مولانا صالح
کمال کی خدمت میں پہنچاوی گئی، مولانا نے دن میں اس کا کامل طور پر
مطالعہ فرمایا اور شام کو شریف کے یہاں تشریف لے گئے۔ کتاب پیش
کی اور علی الاعلان فرمایا اس شخص نے وہ علم ظاہر کیا جس کے انوار چمک
اٹھے۔ جو ہمارے خواب میں بھی نہ تھا، تمام مکہ معظّمہ میں کتاب کا شہرہ
ہوا۔ بفضلہٖ تعالیٰ سب لوہے ٹھنڈے ہو گئے۔“ [10]

ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد مظہری لکھتے ہیں:

”اس کتاب کے دو حصے ہیں: پہلے حصے میں مسئلہ علم غیب پر فاضلانہ
بحث ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرتے ہوئے
معقول اور دل نشیں انداز سے اپنا موقف بیان کیا ہے، دوسرے حصے
میں دیگر چار سوالات ہیں۔ جب یہ کتاب علمائے عرب کے سامنے
پیش کی گئی تو انہوں نے بڑی پذیرائی کی اور تقریباً ۷۰ علما نے اس پر
اپنی تصدیقات لکھیں۔“ [11]

علامہ اقبال احمد فاروقی مدیر جہان رضا لاہور فرماتے ہیں:

”یہ وہ معرکۃ الآرا کتاب ہے جس پر عالم اسلام نے بھرپور داد وتحسین
پیش کی، یہ کتاب حضور نبی کریم صاحب کوثر وتسنیم صلی اللہ علیہ وسلم کے
علوم غیبیہ پر ایک شاندار مرقع ہے، جسے پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے

اور حضور کے کمالات سے قلب وذہن فروغ پاتے ہیں۔ ۱۲؎

اور آپ کے خلف اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں جو اس سفر مبارک میں آپ کے ہم رکاب تھے اپنا مشاہدہ یوں بیان فرماتے ہیں:

''در اصل ''الدولۃ المکیہ'' نے حرمین شریفین میں آپ کا غلغلہ برپا کردیا۔ یہ کتاب مجموعی طور پر دس گھنٹے سے کم میں تالیف فرمائی اس رسالے سے وہاں کے علما کو محسوس ہوا کہ مصنف معارف علوم ومنقول میں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ سے استفسارات کا سلسلہ شروع ہوگیا، اسی قبیل سے نوٹ سے متعلق ۱۲ سوالات تھے۔'' ۱۳؎

''الدولۃ المکیہ ایک دھماکہ خیز کتاب ثابت ہوئی، اس نے خیالات کے دھارے موڑ دیے۔ اور ارباب علم وفکر کے قلوب واذہان پر امام احمد رضا کی عظمت کا پرچم گاڑ دیا۔ سرعت تحریر اور احساس ذمہ داری کا عالم یہ کہ دس گھنٹے سے کم میں تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل تحقیقی مقالہ پر مغز معلومات اور بصیرت افروز انکشافات سے مرصع، علما کے حوالہ کردیا۔ بخار کا تسلسل، لائبریری سے دوری، وقت بہت ہی کم، ملاقاتیوں کا ہجوم، لیکن آپ کی ہمت مومنانہ نے ثابت کردیا کہ یہ سب اعذار امام احمد رضا کے لیے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ نہ یہ چیزیں میرے عزم کی راہ میں مانع ہوسکتی ہیں۔ کتاب کے اختتامیہ میں اوقات کی وضاحت فرماتے ہیں۔

''الحمد للہ بندۂ ضعیف نے اس کتاب کا پہلا حصہ، صرف سات گھنٹوں میں مکمل کرلیا تھا، پھر اسے مزید مفید بنانے کے لیے نظر ششم کا اضافہ کیا، اور بے پناہ مصروفیوں کے باوجود آج ظہر کے بعد دوسرا حصہ بھی مکمل ہوگیا، اس پر مجھے ایک گھنٹہ مزید صرف کرنا پڑا۔'' ۱۴؎

قطب مدینہ مولانا الشیخ ضیاء الدین مدنی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مرشد برحق حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اپنی کتاب ''الدولۃ المکیہ'' کی ایک نقل برائے تصدیقات

علمائے حجاز ومصر وشام مجھے عطا فرما گئے۔ میں نے بہت سے علمائے کرام کی تصدیقات کرائیں۔ ان علما نے تصدیقات فرمادیں۔ مگر کہتے تھے، اس بات کو عقل تسلیم نہیں کرتی کہ کوئی شخص اپنے گھر، اپنے کتب خانہ سے اتنی دور ہو، بخار کی حالت میں ہو اور آٹھ گھنٹہ میں اتنی ضخیم کتاب لکھ دے، میں نے یہی بات حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ سے عرض کی تو آبدیدہ ہوکر فرمایا، جب حرم مکہ میں مقام ابراہیم کے پاس بیٹھ کر فقیر نے یہ کتاب لکھنی شروع کی تو خانہ کعبہ کے دروازے پر ایک طرف حضور آقائے دوعالم ﷺ اور ایک طرف سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور درمیان میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ قیام فرما تھے جو کچھ یہ فرماتے جاتے فقیر لکھتا جاتا۔

(پیغام رضا، مارچ ۲۰۰۷ ص ۲۸۸)

دین اسلام کیا زندہ دین ہے کہ جب جب اس دین پر بدعات وخرافات کا منہ زور جھکڑ کر چلا ہے اللہ نے اپنے کسی بندہ کو چنا ہے اور وہ اس کے سامنے سیسہ پگھلاتی دیوار بن کر کھڑا ہوگیا ہے۔ اور جو بندۂ خدا بھی خدمت دینی کا تاج سر پر سجا کر آگے بڑھا ہے اس کی شان یہ ہے کہ وہ عمائدین اسلام، اساطین دین وایمان کی نظر میں ہوتا ہے، چیلنج ضرورت ملتجیہ، حاجت شدیدہ پر وہ حضرات بنفس نفیس کرم فرماتے ہیں۔ اسی مسئلہ علم غیب پر آقائے دوعالم ﷺ، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، اور حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی بروقت تشریف آوری، عقدہ کشائی اور رہنمائی اس کا بات کا بین ثبوت ہے کہ آج بھی یہ حضرات دین کی شان بلند کرنے میں لگے ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت چودھویں صدی ہجری میں ان حضرات کی منتخب اور محبوب شخصیت ہیں۔ آپ کی تحریرات میں ان کا تعاون شامل ہے۔ معلوم ہوا آپ کی جملہ تصنیفات وتالیفات ان سب آقاؤں کی بارگاہ کا عطیہ اور تحفہ ہیں، اور ان تمام تصنیفات وتالیفات کے عطر مجموعہ کا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔ پتہ چلا مسلک اعلیٰ حضرت ان نفوس قدسیہ کا رجسٹرڈ مسلک ہے اور جیسے ہمارے آقا ﷺ زندہ ہیں

ویسے ہی ان کے تحائف زندہ ہیں لہٰذا مسلک اعلیٰ حضرت زندہ ہے زندہ رہے
گا، اپنی زندگی کی دائمی تابندگی کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت سے سچی وابستگی کو اپنا
شعار بنائیں اسی میں امن وامان اور خیر وعافیت ہے۔

عرض کیا جاچکا ہے کہ مقبولیت ایسی افزود ہوئی کہ ہر طرف سے استفسارات کا
سلسلہ شروع ہو گیا، علما علم کا مچلتا دریا دیکھ کر اچھل اچھل پڑے۔ بہت سے مسائل
جو علما کے درمیان زیر غور تھے پیش کیے جانے لگے۔ انہیں میں حرم کا دوسرا
تحفہ ''کفل الفقیہ، بھی ہے جس کے متعلق فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

''محرم ۱۳۲۴ھ میں مکہ معظّمہ کے دو علمائے کرام مولانا عبد احمد میر
داد، اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد بغدادی نے نوٹ کے متعلق جملہ
مسائل فقیہ کا سوال اس فقیر سے کیا جس کے جواب میں بفضل وہاب عز
جلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ ''کفل الفقیہ'' وہیں لکھ دیا۔ مکہ معظّمہ
کے اجلہ علمائے کرام ومفتیان عظام نے کفل الفقیہ کو ملاحظہ فرمایا
پڑھوا کر سنا، اس کی نقلیں لیں اور بحمد اللہ سب نے بیک زبان مدحیں
کیں۔ جیسے شیخ الائمہ کبیر العلما مولانا ابو الخیر میر داد حنفی، اعلم العلما شیخ
صالح کمال شافعی، حافظ کتب حرم فاضل سید اسماعیل خلیل حنفی، حضرت
مولانا مفتیٔ حنفیہ عبد اللہ صدیقی، یہی سوال استاذ الاساتذہ حضرت
مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی سے ہوا تھا اور انہوں نے جواب دیا تھا
کہ علم علما کی گردنوں میں امانت ہے۔ مجھے اس جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا
ہے کہ کچھ حکم دوں، جب حضرت مولانا مفتیٔ حنفیہ علامہ عبداللہ صدیقی
نے رسالہ کفل الفقیہ کا مطالعہ کیا اور اس مقام پر پہنچے جہاں فتح القدیر
سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے کہ ''اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار
روپے کو بیچے تو جائز ہے مکروہ نہیں۔'' تو پھڑک اٹھے۔ اور اپنی ران پر

ہاتھ مار کر بولے ''این جمال ابن عبد اللہ من ھذا النص
الصریح''، جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے۔'' [۱۵]

ان اکابر و مشاہیر علماء نے حضرت مصنف فاضل بریلوی سے خصوصی ملاقات
کی، گرم جوشی سے مبارک باد پیش کیا۔ دیگر مسائل پر بھی علمی مذاکرہ اور تبادلۂ خیال
ہوا۔ ان مبارک وسعید اثرات کے تصورات سے سرشار جب امام احمد رضا وطن واپس
ہوئے تو معلوم ہوا کہ مولانا رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا ہے کہ ''نوٹ چیک ہیں انہیں
ان کی مثل کے ساتھ بھی نہیں بیچا جاسکتا، چہ جائے کہ کم یا زیادہ رقم کے ساتھ سودا کیا
جائے، آپ نے اپنی کتاب الذیل المنوط میں ۱۸ وجوہ سے ان کا رد کیا۔ [۱۶]

عقول انسانی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دینے والی آپ کی دونوں کتاب دیکھ کر
کہنا پڑتا ہے کہ آپ کی ذات قدرت کا لاجواب انتخاب اور رسول رحمت کی کرم
نوازیوں کا مہکتا گلاب تھی۔ ندرت خیال ورق ورق پر مسکرا رہی ہے، کثرت دلائل
ہے کہ صفحہ صفحہ گلزار بنا ہوا ہے، جزئیات سلسلہ در سلسلہ، نکات موج در موج، حافظہ
اتنا قوی کہ حوالہ جلد، صفحہ سطر کی قید کے ساتھ ہمیشہ ذہن میں کرن در کرن۔ الدولۃ
المکیہ اور کفل الفقیہ کا پس منظر دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ذہن نہیں ہے لائبریری ہے،
دماغ نہیں ہے انسائیکلو پیڈیا ہے۔ علوم وفنون کی جامعیت دیکھ کر فضلائے روزگار
انگشت بدنداں رہ گئے۔ فکر وخیال کی انجمن سجانے والے اس شجرہ طوبیٰ سے خوشہ
چینی کو سعادت بالائے سعادت سمجھنے لگے ہیں (آج اگر کاغذی نوٹوں کا آزادانہ
استعمال ہو رہا ہے تو امام احمد رضا کے فتویٰ پر خاموش عمل ہے، ہند کے بعض علما گومگو
کی کیفیت میں تھے بعض ناجائز کہہ چکے تھے علمائے عرب جزئیہ کی تلاش میں
پریشان تھے کہ امام احمد رضا کا فتویٰ منصفۂ شہود پر آیا) پھر اس کے بعد چراغوں
میں روشنی نہ رہی کے مصداق بعد میں جس نے بھی لکھا اور جو کچھ لکھا ماخذ کفل الفقیہ
ہے۔ اولیت کا سہرا علمائے عرب اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے جب تک فاضل

بریلوی وہاں رہے۔ اکتساب فیض کرتے رہے اور جب بریلی واپس تشریف لے
آئے تو شوق ملاقات اور ذوق علم کشاں کشاں بریلی لے آیا۔ کئی شخصیتیں ہیں جو
حجاز اور مختلف دیار وامصار سے بریلی آئیں اور کئی کئی مہینے رہیں انہیں آنے والوں
میں حضرت مولانا سید حسین ابن حضرت مولانا سید عبدالقادر شامی مدنی رحمہ اللہ علیہ
بھی ہیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے فاضل بریلوی لکھتے ہیں چودہ مہینے فقیر خانہ پر قیام
فرمایا اور علم اوقات وتکسیر سیکھے انہیں کے لیے میں نے اپنا رسالہ اطائب الاکسیر فی علم
التکسیر زبان عربی میں املا کیا یعنی عبارت زبانی بولتا اور وہ لکھتے جاتے اور اسی لکھنے
میں اسے سمجھتے جاتے، علم جفر میں اتنی دستگاہ ہوگئی تھی کہ ۵ سوالوں میں ۲ کا جواب
صحیح نکال لیتے اگر چند مہینے اور رہتے تو امید تھی کہ سب جواب صحیح نکالنے لگتے، میں
نے جوجد اول اس فن کی تکمیل جلیل کے لیے اپنی طبع زاد ایجاد کی تھیں رخصت کے
وقت انہیں نذر کردیں۔ ۱۷؎ ان آنے والوں میں ایک مولانا عبدالغفار بخاری بھی
ہیں جو آٹھ مہینے بریلی شریف رہ کر دریائے علم سے موتی چنتے رہے، ان کے تعلق
سے امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

"ان کی محبت وصلاح وتقویٰ کے سبب اکثر ان کی یاد آجاتی ہے۔" ۱۸؎

مکہ جو خود مرکز دائرہ کائنات ہے، مرکز دائرہ علوم ومعارف ہے، دین ودانش
اور عقائد ونظریات کے اولین سوتے وہیں سے پھوٹے۔ مگر کیا کشش تھی اس مردِ
خدا کی ذات میں اور ان کے قدموں سے لپٹنے والے بریلی کے ذرات میں کہ تشنہ کا
مانِ زمانہ عرب کا رخ کرتے ہیں اور تشنہ کامانِ عرب بریلی کا۔ حالانکہ بریلی شریف
میں اس وقت نہ کوئی یونیورسٹی تھی نہ کوئی جامع العلوم، نہ کوئی عظیم دانش کدہ اور نہ بین
الاقوامی تربیتی سینٹر تنہا امام احمد رضا کی ذات ہے جو عصری دانش کدہ بھی تھی اور
اسلامی درسگاہ بھی، دنیا بھر کے علوم وفنون کے نصاب پر مشتمل عالمی یونیورسیٹی بھی،
اور تقاضائے وقت وضرورت کے تحت دیدہ ور ڈھالنے والی ایشیا کی سب سے بڑی

فیکٹری بھی، وہ جتنے علوم وفنون پر مہارت رکھتے تھے اب بھی دنیا کی کسی ایک
یونیورسٹی میں اتنے علوم نہیں پڑھا جاتے، مٹی کو سونا اور سونا کو کندن وہاں بنایا جاتا
تھا۔ خام مال کو پگھلا کر کل پرزے کی تشکیل وہاں ہوتی تھی۔ ان کے قریبی دوستوں
حاشیہ نشینوں، شاگردوں اور فیض یافتہ لوگوں کی جماعت پر آپ نظر ڈالیں تو حیرت
ہوتی ہے ہمہ نوعی خوبیوں سے آراستہ ذوات عالیہ کی ٹیم نظر آتی ہے۔ جو ذات سے
لے کر کائنات تک چھا جانے والی صفتوں اور صلاحیتوں سے مزین ہیں مثلاً صدر
الافاضل مولانا سید نعیم الدین اور محدث اعظم حضرت سید محمد کچھوچھوی جیسا مفکر
ومدبر، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا اور مولانا وصی احمد پیلی بھیتی جیسا عالم، مولانا امجد
علی اور مولانا شریف کوٹلوی جیسا فقیہ ودانشور، مولانا دیدار علی اور مولانا عبدالسلام
جیسا عارف کامل، مولانا عبدالعلیم اور مولانا دیدار علی اور مولانا عبدالسلام جیسا
عارف کامل، مولانا عبدالعلیم اور مولانا احمد مختار جیسا داعی ومبلغ، مولانا ظفر الدین
اور مولانا عمر الدین جیسا مصنف ومولف، مولانا رحم الٰہی اور مولانا غلام جان جیسا
مدرس، مولانا ابوالحسنات اور مولانا یار محمد جیسا سیاسی، مولانا ہدایت رسول اور مولانا
حشمت علی جیسا مناظر، مولا حسن رضا اور مولانا سید ایوب علی جیسا ادیب وصحافی،
مولانا عبدالاحد اور مولانا عبدالرشید جیسا حکیم، مولانا ابراہیم رضا اور مولانا حسنین
رضا جیسا طابع وناشر، قاضی عبدالوحید اور حاجی لعل محمد جیسا معتمد، آخر ان جواہرات کا
معدن کہاں ہے، یہ کس سیپ کے پروردہ گوہر ہیں۔ ان رنگ برنگ پھولوں کا چمن
کون سا ہے، یہ کس تربیتی کیمپ کے آراستہ وپیراستہ افراد واشخاص ہیں، تو جواب
صرف ایک ہے امام احمد رضا کی ذات، ماہر رضویات کا ایک جملہ پوری جہان
رضویات کا ترجمان ہے جب انہوں نے کہا ہے تو گویا سمندر کو کوزے میں سمودیا کہ

"فیض رب قدیر سے کارگہہ فکر میں انجم ڈھلتے تھے۔" ۱۹؎

وہ بہت بڑے باپ کے بیٹے تھے، رئیسی کی گود میں انہوں نے آنکھیں کھولی

تھیں، زمین داری کی فضا میں انہوں نے ہوش سنبھالا تھا، وہ شہزادہ تھے پورے
خاندان کے نور دیدہ تھے، وہ چاہتے تو پھولوں کی سیج پر سوتے مگر سہولیات کو تج
کر کے انہوں نے مصروفیات کو اپنا لازمۂ حیات بنالیا، دین ومذہب کی اشاعت
ان کا نصب العین بن گئی، قوم وملت کی خدمت زندگی کا اٹوٹ حصہ ہوگیا، اپنی صحت
وتندرستی کی انہوں نے پرواہ نہیں کی۔ فکر تھی تو یہ تھی کہ ملت صحت مند رہے، حسرت تھی
تو یہ تھی کہ قوم آبرومند رہے، تمنا تھی تو یہ تھی سنت اور سنیت کا بول بالا ہو، اسی درد میں
وہ تڑپتے اور اسی آرزو میں مچلتے، طبیعت اچھی نہیں ہے طبیب نے کام بالکل منع
کر دیا ہے مگر کام ہو رہا ہے، بخار ہے اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتے، سینہ پر دوات رکھوالیا ہے
(الملفوظ) اور لکھ رہے ہیں پوری چودھویں صدی چھان ڈالیے۔ ہے کوئی ایسا بے
لوث محسن، ہے کوئی ایسا مخلص ہمدرد، ہے کوئی ایسا جانثار وغم گسار؟ خدمت دین
وسنت کی تو خیر بات ہی الگ ہے ملی ہمدردی اور سیاسی خیر خواہی کی بنیاد پر بھی ان
کے معاصرین میں کوئی ان کا نظیر نظیر نہیں آتا، وہ اتنے بڑے قلمکار تھے کہ چاہتے تو
ادب وصحافت کے حوالے سے دولت وثروت قدموں کا بوسہ لیتی۔ مگر انہوں نے قلم
کی حرمت کو مجروح نہیں کیا معراج عظمت عطا کیا، علم کا وقار اونچا کیا اور اونچا رکھنے کا
حوصلہ بخشا، اپنی منقولہ جائداد کی آمدنی سے انہوں نے ۲۰۰ روپے ماہانہ دینی امور
پر خرچ کے لیے مختص کر رکھا تھا پھر بھی وہ ایسے فراخ دست تھے کہ کبھی کبھی مہینہ ختم
نہیں ہوتا اور روپیہ ختم ہو جاتا۔ پروفیسر مسعود احمد مظہری لکھتے ہیں۔

''سخاوت کی یہ کیفیت تھی کہ کبھی کبھی تنگ دستی کا عالم بھی گذرتا، ایسی حالت
میں بے نفسی کے ساتھ مولانا بریلوی کا فتویٰ نویسی ان کے عالمانہ وقار اور فقیہانہ آن
بان کو اور بلند کرتی ہے۔''۲۰

کسی مستفتی نے فتویٰ نویسی کی فیس کے بارے میں دریافت کیا تھا امام احمد
رضا جواب میں لکھتے ہیں:

''یہاں بحمد اللہ تعالیٰ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی، بفضلہٖ تعالیٰ
ہندوستان ودیگر ممالک مثلاً چین، افریقہ، امریکہ، خود عرب شریف و
عراق سے استفتیٰ آتے ہیں اور ایک وقت میں چار چار سو جمع ہو جاتے
ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ حضرت جدامجد قدس سرہٗ العزیز کے وقت ۱۳۳۷ھ
۱۹۱۸ء سے اب تک اس دروازے سے فتویٰ جاری ہوئے۔ اکانوے
برس اور خود اس فقیر غفرلہٗ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے بعونہٖ تعالیٰ
اکاون ۵۱ برس ہونے کو آئے۔ اس صفر کی ۱۴ تاریخ کو پچاس برس
چھ ۶ مہینے گذرے اس نوکم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے۔ بارہ
(۱۲) مجلدات تو صرف اس فقیر کے ہیں، بحمد اللہ تعالیٰ یہاں کبھی ایک
پیسہ نہ لیا گیا نہ لیا جائے گا۔

''بعونہٖ تعالیٰ ولہ الحمد۔ معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت، دنی
ہمت ہیں جنہوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے جس کے باعث
دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟
بھائیو! ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب
العالمین میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو سارے
جہاں کے پروردگار پر ہے (۲۱)''

فتاویٰ کی کثرت کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''فقیر کے یہاں علاوہ دیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کار فتویٰ اس درجہ
وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد، شہر ودیگر بلاد وامصار، جملہ
اقطار ہندوستان، بنگال وپنجاب، ملی بار، براہما ارکان، چین، غزنی،
امریکہ وافریقہ حتیٰ کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتیٰ آتے ہیں اور ایک
ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے ہیں''۲۲

ان کے زمانے میں پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا دارالافتاء سوائے بریلی شریف کے کہیں نہیں تھا جس سے پوری دنیا جڑی ہو اور جہاں اس کثرت سے فتوے آتے ہوں [۲۳] بیک وقت چار چار سو فتوؤں کا جمع ہونا، دس آدمیوں کے کام سے زائد کام کا انبار لگ جانا امصار ہند واقطار عالم کا فاضل بریلوی سے رجوع کرنا کئی حقیقتوں کی نقاب کشائی کرتا ہے مثلاً

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی علمی شہرت اور دینی بصیرت کا غلغلہ اطراف عالم میں تھا۔

(۲) دس آدمیوں سے زائد کا کام وہ تنہا انجام دیتے تھے۔

(۳) علمی، تحقیقی فضا میں ان کی جامعیت مسلم تھی اور وہ عالم اسلام ہی کی نہیں عالم دین ودانش کی نمائندگی کر رہے تھے۔

(۴) چوں کہ ان کے یہاں اس وسیع خدمت پر کوئی فیس نہیں تھی اس لیے وہ دین کے سچے خادم اور دانش کے بے لاگ محسن تھے۔

(۵) دنیائے فکر ونظر کو آپ کے فتوؤں اور فیصلوں پر اعتماد تھا جبھی تو لوگ ادھر کا رخ کرتے تھے۔

(۶) دارالافتاء میں بیک وقت چار چار، پانچ پانچ سو فتاوے جمع ہو جایا کرتے تھے۔ یہ شان ''بین الاقوامی انٹرنیشنل دارالافتاء'' ہی کی ہو سکتی ہے۔

اس خدمت وجامعیت کی سطح سے امام احمد رضا کی سیرت وحیات کا ان کے معاصرین کی سیرت وحیات سے موازنہ کر لیجے آپ بھی یہی کہیں گے کہ احمد رضا کا پلہ گراں ہے۔ جو سوچے تو حدیث وقرآن کے رموز واسرار سوچے، جو بولے تو مسئلہ کی بات بن جائے، جلوت وخلوت سے سنت رسول کی خوشبو آئے، مجلس میں بیٹھ جائے تو علوم مصطفےٰ کے انوار برسائے، قول وفعل، گفتار وکردار دیکھیے تو سیرت رسول کی تصویر نظر آئے۔ جس کے ہاتھ میں قلم، نظر کے نشانے پر کاغذ اور دماغ مسائل کی

گتھی سلجھانے میں لگا ہوا، زبان نغمۂ عشق الاپ رہی ہو اور دل جھوم رہا ہو جس کے کاشانے کا دروازہ ہر وقت آنے والوں کے لیے کھلا رہتا ہو اور جو ہر وقت خدمت قوم وملت کے لیے تیار رہتا ہو اس کی سیرت کی انفرادیت اور شخصیت کی گہرائی کوئی جانچے تو کیسے جانچے۔ سوال ہوا نہیں کہ جواب کے بادل برسنے لگے۔ عقدہ کشائی ہونے لگی۔ دلائل جھڑنے لگے، مسائل ابھرنے لگے آپ کے خلف اصغر حضور مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا قادری یوں گوہر فشاں ہیں:

''شریعت وطریقت کے وہ باریک مسائل جن میں مدتوں غور وخوض کامل کے بعد بھی ہماری کیا مجال بڑے بڑے سر پٹک کر رہ جائیں، فکر کرتے کرتے تھکیں اور ہرگز نہ سمجھیں اور صاف انا لا ادری کا دم بھریں وہ یہاں ایک فقرے میں ایسے صاف فرما دیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے گویا اشکال ہی نہ تھا۔'' [۲۴]

اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ کرم پروردگار کا ایک کرشمہ، اور حضور جان نور ﷺ کی ایک تجلی تھے، قوم کی امانت اور وقت کی اہم ضرورت تھے، تاریخ ہند کا صرف ایک ورق الٹیے تو انیسویں صدی کا ہندوستان طوائف الملوکی، افراتفری، قتل وخون اور غارت گری کا طلسم خانہ نظر آتا ہے، سیاست سے لے کر مذہب تک ہر سطح پر بے قراری اور اتھل پتھل مچی ہوئی تھی، فتنے بنائے بھی جاتے ہیں اور مختلف تہذیب ومعاشرت کے بطن سے جنم بھی لیتے تھے، تحریک موالات، تحریک خلافت، تحریک آزادی، تحریک شدھی سنگھٹن، تحریک انڈین نیشنل کانگریس، غرض یہ کہ قلبی سکون اور ملکی اطمینان پر برق پاشی کے لیے یہی سب قیامتیں کیا کم تھیں کہ ایک اور مسئلے نے سر اٹھایا، ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب، اس وقت کی بھاری بھرکم شخصیتیں بھی وقت کی نباضی کیا کرتیں کہ وقت کے دھارے میں بہہ گئیں، مضبوط وتوانا قلم بھی اس چبھتے ہوئے مسئلے کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر رہے۔ یا اگر پہونچے تو

زبان نے دل کی ترجمانی نہیں کی، نتیجہ یہ ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہ بن کر رہ گیا۔ کسی نے کہا دارالاسلام ہے، کسی نے کہا دارالحرب ہے، کسی نے کہا بعض اعتبار سے دارالحرب ہے، اور بعض اعتبار سے دارالاسلام مثلاً مولانا قاسم نانوتوی کا خیال تھا۔

’’ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں شبہہ ہے جیسا کہ منقولہ روایات سے آپ کو معلوم ہو گیا، اگرچہ اس ناچیز کے نزدیک راجح یہی ہے کہ ہندوستان دار الحرب ہے۔‘‘ ۲۵

مولوی محمود الحسن دہلوی کا نظریہ سمجھنے کے لیے مولوی محمود الحسن اور مسٹر برن کی گفتگو مولوی محمد حسین کی زبانی سنئے:

’’البتہ نئی بات اس نے دریافت کی اس نے کہا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دار الاسلام؟ مولانا نے فرمایا کہ علما نے اس میں آپس میں اختلاف کیا ہے۔ اس نے کہا آپ کی کیا رائے ہے؟ مولانا نے فرمایا میرے نزدیک دونوں صحیح کہتے ہیں، اس نے تعجب کیا کہ یہ کیوں کر ہوسکتا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ دارالحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور حقیقت میں یہ دونوں اس کے درجات ہیں، جن کے احکام جدا جدا ہیں، ایک معنی کی حیثیت سے اس کو دارالحرب کہہ سکتے ہیں اور دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے نہیں کہہ سکتے۔ ۲۶

مولوی نذیر حسین دہلوی کی رائے کیا تھی؟ ان کی سوانح عمری ’’الحیات بعد الممات‘‘ میں لکھا ہے کہ:

’’ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے، دارالحرب کبھی نہ کہا۔‘‘ ۲۷

مندرجہ بالا تینوں اقتباسات اپنے اپنے حلقے کی اہم شخصیات کے خیالات ہیں اور تینوں متضاد، عجب گومگو کی کیفیت ہے اس سے مسئلہ کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور نہ

کوئی فیصلہ کن نتیجہ ہی برآمد ہوتا ہے۔ اسی مسئلہ سے متعلق فاضل بریلوی کا حقیقت پسندانہ، دوٹوک نظریہ جاننے کے لیے ان کی فکر انگیز تصنیف اعلام الاعلام بان ھندوستان دار الاسلام مسئلہ کی وضاحت ہی نہیں، ہر گوشے سے قاری کو مطمئن کرتی ہے۔ یہاں الجھاؤ نہیں ہے ہر چیز پر سیر حاصل بحث ہے، ہم یہاں صرف ایک اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں دیکھئے فقیہ اعظم کی فقہی بصیرت۔

’’الحاصل ہندوستان کے دار الاسلام ہونے میں کوئی شک نہیں، عجب اس سے جو تحلیل ربا کے لیے، جس کی حرمت نصوص قطعیہ، قرآنیہ کے ثابت ہے، کیسی کیسی وعیدیں اس پر وارد ہیں، اس ملک کو دار الحرب ٹھہرائیں، اور باوجود قدرت واستطاعت ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں (۲۸)

کہنے اور لکھنے کو تو بڑی آسانی کے ساتھ ہندوستان کو دارالحرب کہہ اور لکھ دیا، یہ حضرت لوگوں کا جواب ہے جو لکھتے پہلے ہیں سوچتے بعد میں ہیں اور یہ اعلیٰ حضرت کا جواب ہے کہ جو کچھ لکھتے ہیں کامل غور وخوض کے بعد لکھتے ہیں، اسی لیے انہیں دوسروں کی طرح رجوع کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ آپ مسئلہ کے مضمرات تک پہنچتے ہیں، اس سے شریعت پر کہاں کہاں اور کیا کیا ضرب پڑ رہی ہیں ان نقصانات کو اجاگر کرتے ہیں، اور پھر اس کے مضر اثرات سے لوگوں کو باخبر کرنے کے لیے حقائق کی چادر مسائل کے گرداگرد تان دیتے ہیں اور اصابت فکری کی چھاؤں میں آرام کی سانس لیتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے میں یہ بہت بڑی دشواری ہے کہ مسلمانوں کو اس جگہ شعائر اسلام کے اظہار پر پابندی قبول کرنی ہوگی۔ اور بہت سے احکام شرعیہ کو مرفوع ماننا پڑے گا اور شرعی طور پر قیام ناجائز ہوگا۔ کیوں کہ دارالحرب سے ہجرت کرنا ضروری اور قیام ناجائز ہے، البتہ سود کھانا جائز ہو جائے گا۔ ۲۹)

حضرت فاضل بریلوی کے منصفانہ فیصلہ پر مولانا کوثر نیازی کا غیر جانب دارانہ تبصرہ سنئے جو بڑا ہی حقیقت پسندانہ ہے۔

"حیرت ہے کہ جو لوگ انگریز کے زمانے میں ہندوستان کو دار الحرب قرار دینے پر مصر تھے، آج ہندو راج میں اسے دار الحرب قرار دینے کا لفظ منہ سے نہیں نکالتے، مطلب واضح ہے کہ انگریز کے سامنے ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا جا رہا تھا تاکہ مسلمان انگریز کے خلاف تلوار اٹھائیں۔ مر کھپ جائیں، اور جو باقی بچیں وہ ہجرت کر کے اس سرزمین ہی کو چھوڑ جائیں۔ آج ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا جائے تو سیکولرزم کا طلسم پاش پاش ہوتا ہے، مسلمان جہاد کے نام پر برسر پیکار ہوں، یا ہجرت کریں، سیکولرزم کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے، اس لیے آج ہندوستان کو دار الحرب قرار دینے والے مفتیان کرام کے وارث مہر بلب ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے امام احمد رضا کے فتویٰ کی تائید کر رہے ہیں۔" ۳۰

امام احمد رضا ایک ایسے دیدہ ور تھے جو حالات کی دکھتی رگ نگاہ اولین ہی میں پہنچان لیتے تھے، چوں کہ عملی سیاست کی گرد سے دامن پاک تھا، اس لیے جو لکھا کھل کر لکھا، نہ حکومت کی پرواہ کی، نہ سیاسی طوفان کی بلکہ بڑے بڑے طوفان کا رخ قلم کی طاقت سے موڑ دینے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ ان کے قلم کا ہر وار مذہب کے افتخار کے لیے ہوتا تھا۔ جو کہتے وہی لکھتے، جو دل میں ہوتا وہی بولتے۔ ان کی زبان ان کے دل کی ترجمان تھی اور ان کا دل شریعت کا پاسبان، تبھی تو ان کے افکار میں صداقت کا عنصر غالب ہے، ان کے نظریات میں حقیقت کی نور فشانی ہے، اسی لیے ان کی باتوں میں غیر معمولی وزن ہے، تسخیری قوت ہے، اب آہستہ آہستہ ارادی یا غیر ارادی طور پر لوگ ان کے پرنور شعور کے قریب آ رہے ہیں، ان کے

فیصلے کی تائید کر رہے ہیں۔ یہ ان کے عظیم ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

امام احمد رضا جس طرح درون خانہ مذہب پر اٹھنے والی ہر ٹیڑھی، ترچھی نظر پر نظر رکھتے تھے اور اس کے لیے تریاق فراہم کرتے، یونہی بیرون خانہ سے بھی اٹھنے والی مذہب دشمن ہر آندھی کا وہ تعاقب فرماتے اور اس کے مقابلے میں سد سکندری بن جاتے نہ صرف دینی علوم بلکہ عصری علوم وفنون کی تمام شاخوں پر بھی وہ ید طولیٰ رکھتے تھے اور نکتہ آفرینی میں ایسا ملکہ کہ آپ کی عقابی نظر جب مغربی باطل نظریات کے خرمن پر برق خاطف بن کر گرتی تو مزعومات کے نشیمن کی تلیاں بکھر جاتیں، مظنونات کے گھروندے تارِ عنکبوت کی طرح پاش پاش ہو جاتے اور مصنوعی خیالات کے قصور ومحلات کی نیویں ہل جاتیں اور یہ حقیقت کوئی ڈھکی چھپی نہیں تھی بلکہ پس پردہ لوگوں کو اعتراف تھا (قول سے نہ سہی تو خاموش عمل سے ہی سہی) اور بوڑھے آسمان کی نگاہوں نے، جھلملاتے چاند تاروں نے بارہا دیکھا کہ جب بھی کوئی ایسا موقع آیا تو فولادی ارادوں، آہنی دفاعی قوتوں کے ساتھ آپ فاتحانہ مسکراہٹوں سے لیس واپس آ رہے ہیں، بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں صرف آپ ہیں دوسرا کوئی نہیں۔

ایک مرتبہ امریکن مشہور ہیئت داں پروفیسر البرٹ ایف پورٹا نے ایک پیش گوئی کی کہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ کو آفتاب کے سامنے بیک وقت کئی سیاروں کے جمع ہونے سے جذب وکشش کے نتیجے میں ممالک متحدہ میں زبردست تباہی مچے گی اور ایک قیامت صغریٰ برپا ہوگی۔ یہ خبر اخبار ایکسپریس بانکی پور پٹنہ میں شائع ہوئی۔ اعلیٰ حضرت کے پاس باہر سے خطوط آئے شہر میں لوگوں نے آکر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو اس طرف توجہ دلائی۔ ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری نے اخبار کا تراشہ حاضر کیا اور اس پیشن گوئی پر اظہارِ خیال کی درخواست کی۔ فاضل بریلوی نے اس پیشن گوئی کو لغو قرار دیا اور اس کے رد میں ایک علمی مقالہ "معین مبین" لکھا۔ پیشن

گوئی ۱۷ دسمبر سے متعلق تھی۔ فاضل بریلوی نے ۱۷ ہی دلائل سے اس کا رد کیا۔
بقیہ ماہر رضویات کی زبانی:

''اکتوبر ۱۹۱۹ کو پیشن گوئی منظر عام پر آئی جو ۱۷ ردسمبر ۱۹۱۹ء کو واقع ہونی تھی۔ جب وہ دن آیا دنیا کے ہیاۃ داں صبح سے شام تک دوربینیں لیے دیکھتے رہے (بحوالہ نیویارک ٹائمز شمارہ ۱۶۰، ۱۷، ۱۸ دسمبر ۱۹۱۹ء مگر وہ قیامت نہ آنی تھی نہ آئی۔ مغربی دنیا پر محدث بریلوی کی یہ پہلی کامیابی تھی۔''۳۱

(۲) پروفیسر حاکم علی جو لاہور کالج میں سائنس کے پروفیسر تھے، سائنس کے بعض مسائل میں جب الجھن پیدا ہوئی اور انہیں معلوم ہوا کہ مولانا امام احمد رضا سائنسی علوم میں مہارت رکھتے ہیں تو چھٹی لے کر بریلی شریف آئے۔ ایک مہینہ قیام کیا۔ ہر روز کسی نہ کسی سائنسی مسئلہ پر وہ فاضل بریلوی سے تبادلہ خیال کرتے رہے۔ نتیجہ، فاضل بریلوی کے شاگرد خلیفہ حضرت مولانا حسنین رضا کے الفاظ میں:

''واپسی کے وقت اپنے سفر کی کامیابی پر بہت خوش تھے۔''۳۲

(۳) یوروپ کے مشہور سائنس داں آئزک نیوٹن نے ''حرکت زمین'' پر ایک کتاب لکھی جو اسلامی عقیدہ ''سکون زمین'' کے خلاف تھی وہ ہندوستان کے کالجوں میں پڑھائی گئی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے پاس باہر سے خطوط آئے اور لوگوں نے خود بھی آ آ کر زبانی عرض کیا کہ اسے پڑھ کر مسلمان لڑکوں کے خیالات بگڑ رہے ہیں آپ توجہ فرمائیں۔ آپ نے اس کے رد میں دو کتابیں لکھیں ایک کا تاریخی نام ''فوز مبین در رد حرکت زمین'' رکھا۔ سائنس دانوں کے افکار و خیالات کا محاسبہ کیا اور ۱۰۵ دلائل سے نظریہ حرکت زمین کو باطل قرار دیا۔ پروفیسر مسعود احمد مظہری نے یوں تجزیہ کیا ہے:

''ان تمام دلائل میں ۹۰ دلائل فاضل بریلوی کی طبع زاد ہیں''۳۳

علی الترتیب پیش کردہ تینوں واقعات، سائنسی علوم میں فاضل بریلوی کی دقت

نظری اور وسعت فکری کے علمبردار ہیں اور ساتھ ہی اس بات کے گواہ کہ وہ علوم جدیدہ پر مکمل گرفت کے ساتھ محاکمہ کی بھرپور صلاحیتوں سے بھی آراستہ تھے اور جب ضرورت پڑی تو دلائل سے قدیم نظریات کی بیخ کنی کر کے اپنے نظریے کی حمایت میں شواہد کے انبار لگا دیے۔ اور اس خصوص میں بھی وہ اپنے معاصرین پر سبقت لے گئے۔ پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کی ہلاکت آفریں پیشن گوئی سامنے آئے تو جواب کے لیے احمد رضا، آئزک نیوٹن کے نظریہ حرکت زمین سے عالمی تناظر میں بے چینی پیدا ہو تو جواب کے لیے احمد رضا، کوئی سائنس داں سائنس کے کسی مسئلہ میں الجھے تو گتھی سلجھانے کے لیے احمد رضا، سچ پوچھیے ۱۹ ویں صدی کے بین الاقوامی منظر نامے میں امام احمد رضا کی تصویر ہر ہر زاویے سے نمایاں ہی نظر آتی ہے۔

(۴) علم ریاضی سے متعلق ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا واقعہ تو اب بڑا مشہور ہو چلا ہے۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین اس زمانے میں ماہر ریاضیات مانے جاتے تھے، اور اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ وہ اس فن میں نہ صرف کامل درک رکھتے تھے بلکہ استغراقی کیفیت سے متکیف تھے۔ جرمن یونیورسیٹی میں اس فن کے حاذقین سے انھوں نے استفادہ کیا تھا۔ جو پڑھا تھا سمجھ کے پڑھا تھا، محفوظ تھا، اسی لیے فخر کی حد تک اس فن کی ہمہ دانی پر انھیں ناز تھا، مگر کچھ وقت ایسے بھی آئے جب انھیں اسی فن میں اپنی الجھن دور کرنے کے لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے پاس آنا پڑا، اور حضرت فاضل بریلوی نے بغیر کسی اضطراب کے اناً فاناً مسئلہ کا حل پیش فرما دیا، پھر تو فاضل بریلوی ان کی منتخب اور مرجع شخصیت بن گئے، وہ کل کتنی بار آئے گئے اس رخ پر نقاب پڑا ہوا ہے، ہم تاریخی شواہد سے نقاب کشائی کی کوشش کریں گے۔ بات چوں کہ اپنے ملک کی ہے۔ واقعہ ایک عظیم یونیورسٹی کے دامن سے وابستہ ہے، مسئلہ سائنس کی ایک مضبوط شاخ کا ہے، سائل وہ ہے جس نے یوروپ کی یونیورسٹیوں میں اپنی عمر کے ماہ و سال بتائے ہیں اور طرہ یہ ہے کہ مجیب وہ

ہے جس نے کسی یونیورسٹی کا دروازہ نہیں دیکھا، اس لیے اس بحث کوئی ہم ذرا تفصیل سے چھیڑیں گے۔ اور عناصر کی موشگافی کریں گے۔ سوانحیات رضا کے تین اولین ماخذ، حیات اعلیٰ حضرت، اکرام امام احمد رضا اور سیرت اعلیٰ حضرت مع کرامات میں چار مستند راویوں سے روایت منقول ہے جن میں دو عینی شاہدین ہیں اور دو سماعی، عینی شاہدین میں مولانا سید ایوب علی رضوی بریلی اور حضرت مولانا برہان الحق جبل پوری ہیں اور سماعی راویوں میں حضرت مولانا حسنین رضا بریلوی اور مولوی محمد حسین میرٹھی۔ موجد طلسمی پریس ہیں، آخر الذکر نے اپنی روایت کی تصدیق ڈاکٹر سر ضیاء الدین سے کر لی تھی جب ایک موقع پر ڈاکٹر صاحب موصوف سے شملہ میں ملاقات ہوئی تھی غرض کہ روایت دو ہی ہے مگر روایت نگار چار۔ بعد میں جس قلم کار نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے اس نے انہیں ماخذ سے استفادہ کیا ہے۔ ہم صرف دونوں عینی شہادتوں سے بحث کریں گے اور اس سے اخذ نتائج کی کوش، ڈاکٹر ضیاء الدین کا اولین تعارف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے کیسے ہوا؟ وہ کون سے اسباب ومحرکات تھے جن سے دو اجنبی دانشور ایک دوسرے کے قریب ہوئے تفصیلات کے ساتھ ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری، شاگرد وخلیفہ حضرت احمد رضا بریلوی:

’’میرے قیام بریلی شریف یعنی ۱۳۲۹ھ کے قبل ایک مرتبہ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے علم المربعات کا ایک سوال اخبار دبدبہ سکندری رامپور میں شائع کیا کہ کوئی ریاضی داں صاحب اس کا جواب دیں۔ اعلیٰ حضرت نے جب اس سوال کو ملاحظہ فرمایا تو اس کا جواب تحریر فرمایا اور ساتھ ہی اس فن کا ایک سوال جواب کے لیے تحریر فرمایا اور مجھے حکم ہوا کہ اس کی ایک نقل رکھ لی جائے۔

جب وہ جواب اور پھر سوال اخبار میں چھپا اور ڈاکٹر صاحب موصوف کی نظر سے گزرا تو ان کو حیرت ہوئی کہ ایک عالم دین بھی اس علم کو جانتا ہے ؟ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اس سوال کا جواب اخبار ’’دبدبہ سکندری‘‘

میں چھپوایا۔ اعلیٰ حضرت نے اس کی تغلیط کی۔ متحیر تو ڈاکٹر صاحب پہلے ہی سے تھے اب ان کو سخت تعجب ہوا کہ ایک عالم دین صرف جانتا ہی نہیں بلکہ اس میں کمال رکھتا ہے یہ دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو اعلیٰ حضرت سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور علی گڑھ میں اپنے احباب کے حلقے میں اس کا تذکرہ کیا۔ لوگوں نے منع کیا کہ ہرگز مت جائیے۔ وہ بہت سخت مولوی ہیں اور آپ ہیں علی گڑھی داڑھی منڈے۔ لیکن انہوں نے اپنا ارادہ نہ بدلا اور جناب مولانا سلیمان اشرف صاحب بہاری (کہ بڑے زبردست سنی، اعلیٰ حضرت کے ہم خیال اس زمانہ میں وہاں پروفیسر دینیات تھے) سے مشورہ کیا۔ انہوں نے بہت زور دیا اور کہا ضرور جائیے۔ آپ ان سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ اور ایک خط احتیاطاً حضرت صاحبزادہ اکبر مولانا حامد رضا کے نام لکھ دیا کہ:

’’ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب ایک مسئلہ ریاضی کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں ان کی حسب شان خاطر داری ہونی چاہیے اس کے بعد ۱۳۲۹ھ میں میں شملہ چلا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کب گئے اور کیا کیا باتیں ہوئیں اس کے متعلق جناب ایوب علی صاحب کا بیان قابل اعتبار ہے‘‘ [۳۴]

حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ کے اس تعارفی نوٹ کے تجزیہ سے کئی باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں جن میں سے اہم نکات یہ ہیں:

(۱) ڈاکٹر سر ضیاء الدین اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا تعارف ۱۳۲۹ھ کے قبل اخبار دبدبہ سکندری کے ذریعہ ہوا۔

(۲) یہ پہلا اتفاق تھا کہ اخباری وساطت سے اعلیٰ حضرت نے ان کی عقدہ کشائی فرمائی۔

(۳)علم ریاضی میں تبحر دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کے دل میں امام احمد رضا سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اور یہ اشتیاق اس وقت دوآتشہ ہوگیا جب ڈاکٹر صاحب کسی مسئلہ ریاضی میں الجھے۔

(۴)مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے مولانا حامد رضا خاں کے نام خط لکھا جس میں حسب شان خاطرداری کی گذارش کی۔

(۵)بعد کے واقعات کے لیے ملک العلما کے نزدیک مولانا سید ایوب علی صاحب کا بیان قابل اعتبار ہے اور مولانا سید ایوب علی صاحب کے بیان کے مطابق ڈاکٹر صاحب بریلی شریف تشریف لائے۔نواب ضمیر احمد صاحب کے بنگلہ پر قیام ہوا ڈاکٹر صاحب نے نواب صاحب کے بنگلہ سے اطلاع دی کہ میں پانچ بجے حاضر خدمت ہوں گا چنانچہ وقت مقررہ پر وہ تشریف لائے پھر کیا ہوا سید ایوب علی صاحب بیان فرماتے ہیں ہم دونوں (سید ایوب علی اور سید قناعت علی) اس وقت موجود تھے ڈاکٹر صاحب کو اندر بلایا گیا نماز عصر ہونے والی تھی ڈاکٹر صاحب نے بھی وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا مگر نماز پڑھنے کے وقت موزے اتار ڈالے لہٰذا اعلیٰ حضرت نے ان سے پھر پیرون کو دھلوایا۔ بعد نماز کچھ باہمی گفتگو رہی، حضور نے اپنا قلمی رسالہ جس میں اکثر مثلث دوائر کے بنے تھے ڈاکٹر صاحب کو دکھایا، ہم لوگوں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب نہایت حیرت واستعجاب سے اسے دیکھ رہے تھے اور بالآخر فرمایا، میں نے اس علم کو حاصل کرنے میں غیر ممالک کے اکثر سفر کیے مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہ ہوئیں۔ میں تو اپنے آپ کو بالکل طفل مکتب سمجھ رہا ہوں۔ مولانا یہ تو فرمایئے آپ کا اِس فن میں استاذ کون ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا، میرا کوئی استاذ نہیں ہے، میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ سے صرف چار قاعدے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم محض اس لیے سیکھے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں مکان کی چاردیواری کے اندر بیٹھا خود

ہی کرتا رہتا ہوں، یہ سب سرکار کا کرم ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ حضور کیا سبب ہے کہ آفتاب حقیقتاً طلوع نہیں ہوا، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طلوع ہوگیا۔اس کا جواب علمی اصطلاحات میں حضور نے دیا جسے فقیر بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ۳۵؎

ہاں جو مثال بیان فرمائی وہ یہ تھی کہ کسی بند کمرے میں جھروکوں سے اگر روشنی پہنچتی ہو تو باہر سے چلنے پھرنے والوں کو سایہ الٹا نظر آتا ہے۔ یعنی سر نیچے، پاؤں اوپر، اس کے علاوہ اور مشاہدہ کیجئے، حاجی کفایت اللہ صاحب سے فرمایا، حاجی صاحب! ایک طشت میں تھوڑا سا پانی ڈال کر ایک روپیہ اس میں ڈال دو، انھوں نے فوراً تعمیل کی۔ اب حضور نے ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، آپ کھڑے ہو کر دیکھئے کہ برتن میں روپیہ نظر آرہا ہے یا نہیں۔ انہوں نے کچھ فاصلے سے دیکھ کر عرض کیا ہاں نظر آرہا ہے۔ فرمایا ذرا اور پیچھے ہٹ جایئے وہ کچھ پیچھے ہٹ گئے اور فرمایا اب دکھائی نہیں دیتا ہے، حضور نے حاجی صاحب کو اشارہ کیا انہوں نے تھوڑا سا پانی برتن میں ڈال دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اب نظر آنے لگا، فرمایا اور دو قدم پیچھے کو آجایئے پھر روپیہ نظر سے غائب تھا، حاجی صاحب نے اور پانی ڈالا، روپیہ پھر نمایاں تھا، بعدۂ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا افسوس یہ ہے کہ میں عربی سے ناواقف ہوں اور آپ انگریزی سے، کیا اچھا ہوتا کہ عربی کتب کا ترجمہ اردو میں۔ پھر میں انگریزی کر کے شائع کر دیتا۔ اور فرمایا میرے یہاں کالج کی لائبریری میں ایک کتاب عربی میں ہے، جس کا وجود دنیا میں معدودے چند نسخوں پر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا ترجمہ ہوجائے۔ لہٰذا اگر حضور فرمائیں تو میں ایک مولوی صاحب کو وہ کتاب دے کر خدمت والا میں بھیج دوں تاکہ وہ حضور سے آکر سمجھ لیں۔ پھر ان سے میں سمجھ لوں گا۔ حضور نے فرمایا بہتر ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے۔ حضور نے کچھ مٹھائی تازہ، موٹر میں رکھوادی، چندروز کے

بعد ڈاکٹر صاحب کے فرستادہ مولوی صاحب وہ کتاب لے کر آئے اور حضور سے پڑھنا شروع کیا۔ ہماری آنکھیں شاہد ہیں کہ حضور اس نایاب کتاب کو بغیر دیکھے بے تکلف مولوی صاحب کو اس طرح سمجھاتے جیسے کہ حضور نے اس کو بارہا پڑھا ہے۔[۳۶]

ڈاکٹر صاحب کے آنے، استفادہ کرنے اور مطمئن لوٹنے پر فاضل بریلوی نے اپنا تاثر یوں بیان فرمایا:

"ڈاکٹر صاحب کے آنے سے پہلے ایک قسم کا خیال آتا تھا کہ انہوں نے اس علم کے حصول میں اپنی زندگی صرف کردی ہے، نہ معلوم کیا کیا سوالات کریں گے۔ بخلاف اس کے یہاں تو صدہا مصروفتیں ہیں، خدا جانے میں جواب بھی دے سکوں گا یا نہیں۔ مگر بحمد اللہ پروردگار عالم نے ان کی پوری تشفی کرادی۔ اور وہ بہت مسرور ہو کر گئے۔"[۳۷]

اس روایت کی جو چند خاص باتیں ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) ڈاکٹر صاحب کی اعلیٰ حضرت سے ملاقات کے وقت سید ایوب علی، سید قناعت علی اور حاجی کفایت علی موجود تھے۔

(۲) اعلیٰ حضرت کی ریاضی دانی دیکھ کر ڈاکٹر صاحب اپنے آپ کو طفل مکتب سمجھنے لگے۔

(۳) اس فن میں اعلیٰ حضرت کا کوئی استاذ نہیں یہ محض فیضان رسول عربی تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۴) دونوں دانش وروں کے بیچ خالص علمی اصطلاح میں خیالات کا لین دین ہوا جس کو حاضرین سمجھنے سے قاصر رہے۔

(۵) ڈاکٹر صاحب نے فن ریاضی میں کسی عربی کتاب کا پتہ بتایا جو کالج کی لائبریری میں تھی اور اسے سمجھ کر انگریزی میں منتقل کرنے کی تجویز پیش کی جسے اعلیٰ حضرت نے منظور فرمالیا۔

(۶) فرستادہ مولوی صاحب آئے اور چند روز رہ کر انہوں نے اعلیٰ حضرت سے اس کتاب کو سمجھا۔

(۷) دونوں دانش وروں کی یہ پہلی ملاقات تھی۔

(۸) پروفیسر سلیمان اشرف بہاری صاحب نے صرف رہنمائی کی، خط لکھ دیا اور ڈاکٹر صاحب تنہا ہی تشریف لائے۔

(۹) ڈاکٹر صاحب فاضل بریلوی سے مل کر بہت مطمئن ہوئے، ان کے مطمئن لوٹنے پر فاضل بریلوی بہت مسرور تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی بریلی شریف آمد، ملاقات، اور استفادہ کے دوسرے چشم دید گواہ برہان ملت حضرت مولانا برہان الحق جبل پوری ہیں۔ آپ کی روایت اور سید ایوب علی صاحب کی روایت میں مابہ الافتراق جو چیزیں ہیں جن سے ان دونوں کا دو الگ وقتوں میں واقع ہونا آشکار ہوتا ہے، ہم بعد میں بیان کریں گے، پہلے روایت!

(۵) ایک دن دار الافتا میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ ایک شکرم (ایک قسم کی چار پہیوں کی گاڑی) پھاٹک کے سامنے رکی۔ ایک مولوی صاحب اور ایک صاحب کوٹ، پتلون پہنے ننگے سر اتر کر ہماری طرف آئے۔ ان کے ساتھ جو مولوی صاحب تھے وہ مولانا سید سلیمان اشرف صاحب تھے، پھاٹک کے اندر آئے، مجھ سے مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے دریافت فرمایا حضرت کہاں ہیں؟ میں نے کہا تشریف رکھئے، خبر بھیجتا ہوں، دونوں بیٹھ گئے اور ایک کارڈ نکال کر دونوں کے نام لکھ کر مجھے دیا۔ میں نے کارڈ اندر پہنچا دیا، اندر سے لڑکا آیا کہ حضرت بلا رہے ہیں۔ جب دونوں اندر جانے لگے میں بھی ان کے ساتھ ہولیا، مولانا سید اشرف صاحب نے ڈاکٹر ضیاء الدین سے کہا کہ حضرت کے پاس چل رہے ہو اور ننگے سر؟ ان دونوں میں ترکی ٹوپی لگاتا تھا، ڈاکٹر صاحب نے میری ٹوپی میرے سر سے اٹھا کر سر پر رکھ لی۔ میں نے اپنے سر پر رومال لپیٹ لیا اور ہم سب اندر حضرت کی خدمت میں

پہنچے۔حضرت کچھ تحریر فرمارہے تھے،فرمایا تشریف لائیے۔حضرت نے خیریت پرسی فرمائی۔ڈاکٹر صاحب نے جیب سے نوٹ بک نکالی اور ایک سادہ کاغذ پر ریاضی کی ایک شکل انگریزی حروف لگا کر بنائی۔اور پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس شکل کے حل کے سلسلے میں مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے آپ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔اس لیے میں نے آپ کو تکلیف دی۔اور حضرت کو کاغذ دیا۔ حضرت نے کاغذ دیکھ کر فرمایا،انگریزی حروف میں کیا سمجھوں گا،ڈاکٹر صاحب نے دوسرے کاغذ پر وہ اشکال ابجد حروف لکھ کر پیش کی اور پینسل کا اشارہ کرتے ہوئے حضرت سے کچھ عرض کیا۔حضرت نے بھی جواب میں کچھ فرمایا چند منٹ کی گفتگو کے بعد ڈاکٹر صاحب حیرت زدہ حضرت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ادھر حضرت پیش کردہ اشکال پر غور فرما کر ایک سادہ کاغذ پر خود کچھ شکلیں بناتے ،کاٹتے اور سدھارتے رہے،اور ادھر ڈاکٹر صاحب کی نظر حضرت کے قلم پر جمی رہی۔۵ منٹ کے بعد ایک صاف کاغذ پر اشکال کو حل فرما کر ڈاکٹر صاحب کو دے دیا۔ڈاکٹر صاحب نے دوسرے کاغذ پر اعلیٰ حضرت کی حل کردہ اشکال کو اپنے طور پر انگریزی نشانات لگا کر نقل کیا۔اور خوب غور کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت کے دست اقدس کو بوسہ دے کر عرض کیا ’’حضور نے یہ مسئلہ کتنی آسانی سے ۵ منٹ میں حل فرمادیا جسے میں ہفتوں غور کے بعد حل نہ کرسکا۔اور اس کے حل کے لیے جرمنی یا انگلینڈ جانے والا تھا کہ مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے میری صحیح رہنمائی فرمائی۔مولانا میں آپ کا بہت ممنون ہوں،اللہ تعالیٰ آپ جیسے بزرگوں اور علما کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔

ڈاکٹر صاحب کچھ دیر بیٹھے پھر اجازت لے کر رخصت ہوئے،کاغذات لپیٹ کر پتلون کی جیب میں رکھے،میں بھی ساتھ چلا،صحن پار کرنے کے بعد میری ٹوپی واپس کرتے ہوئے بولے:

’’میاں خوش نصیب ہو،خوب خدمت کرو،اور جتنا بھی فیض حاصل کرسکو

کرلو۔باہر آکر پھاٹک میں کرسی پر بیٹھ کر ڈاکٹر صاحب نے مولانا سید سلیمان اشرف سے کہا،’’یار اتنا زبردست محقق عالم اس وقت شاید ہی ہو،اللہ نے ایسا علم دیا ہے کہ عقل حیران ہے،دینی مذہبی،اسلامی علوم کے ساتھ ریاضی اقلیدس۔جبر ومقابلہ،توقیت وغیرہا میں اتنی زبردست قابلیت اور مہارت کہ میری عقل جس ریاضی کے مسئلے کو ہفتوں غور وفکر کے بعد بھی حل نہ کرسکی حضرت نے چند منٹ میں حل کر کے رکھ دیا۔صحیح معنیٰ میں یہ ہستی ’’نوبل پرائز‘‘ کی مستحق ہے مگر ریا اور نام ونمود سے پاک، شہرت کی طلب نہیں۔اللہ تعالیٰ ان کا سایہ قائم رکھے۔اور ان کا فیض عام ہو،مولانا میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے میری مشکل حل کردی۔اور مجھے بڑی زحمت سے بچالیا۔میں نے کہا ذلك فضل الله یو تیه من یشاء،ڈاکٹر ضیاء الدین اور مولانا سید سلیمان اشرف مجھ سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔‘‘(۳۸)

اس روایت کے جو قابل توجہ اجزا ہیں وہ یہ ہیں:

(۱)ڈاکٹر صاحب مولانا سید سلیمان اشرف کے ساتھ تشریف لائے۔

(۲)مولانا برہان الحق کے خبر دینے پر اجازت ملی اور تینوں حضرات اندر تشریف لے گئے۔

(۳)ڈاکٹر صاحب نے انگریزی حروف لگا کر ریاضی کی ایک شکل بنائی او رپیش کرتے ہوئے آمد پر مولانا سید سلیمان اشرف کا حوالہ دیا۔

(۴)چند منٹ ہی کی گفتگو کے بعد،ڈاکٹر صاحب حیرت زدہ رہ گئے۔

(۵)۵ منٹ میں اعلیٰ حضرت نے مسئلہ حل کردیا اور ڈاکٹر صاحب نے انگریزی نشانات لگا کر نقل کیا۔

(۶)فرط مسرت وحیرت میں ڈاکٹر صاحب نے دست بوسی کی اپنے عجز اور اعلیٰ

حضرت کی قدرت کا اعتراف کرتے ہوئے سلامتی کی دعاء کی۔

(۷) اس حصول کامیابی پر رہبرورہنما مولانا سید سلیمان اشرف کا شکریہ ادا کیا۔

(۸) باہر پھاٹک میں بیٹھ کر ایک بار پھر اعلیٰ حضرت کی مہارت وقابلیت کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ''یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے۔

(۹) آمد سے لے کر رخصت تک مولانا برہان الحق موجود رہے۔

ان دونوں روایات کے تجزیاتی مطالعے اور تقابلی جائزے سے درج ذیل مابہ الامتیاز اشارات سامنے آتے ہیں۔

(۱) پہلی بار ڈاکٹر صاحب اکیلے ہی تشریف لائے، جب کہ دوسری بار مولانا سید سلیمان اشرف بھی ساتھ میں تھے۔

(۲) پہلی بار کی تشریف آوری کے موقع پر سید ایوب علی، قناعت علی اور حاجی کفایت علی موجود تھے جب کہ دوسری بار کی حاضری پر صرف مولانا برہان الحق جبل پوری موجود تھے۔

(۳) پہلی ہی ملاقات میں ڈاکٹر صاحب کافی متاثر ہو چکے تھے جب کہ دوسری ملاقات میں ''نوبل پرائز'' کا حقدار بھی تسلیم کیا۔ تاہم دونوں راویوں میں سے کسی نے بھی سن اور تاریخ کی تعیین نہیں کی ہے۔ کہ یہ انوکھا واقعہ کب، کس تاریخ اور سن میں واقع ہوا۔ نیز بعض داخلی عناصر بھی قاری کی الجھن کا سبب بنتے رہے ہیں۔ مثلاً جب ڈاکٹر صاحب پہلی ملاقات میں اعلیٰ حضرت کے علم ریاضی میں مہارت سے متاثر، قابلیت کے معترف ہو چکے تھے تو اس کے باوجود بھی جب پھر کسی مسئلہ ریاضی میں الجھے تو جرمن جانے کا پروگرام کیوں بنایا؟ اس سلسلے میں کوئی ٹھوس حقیقت نہیں ملتی، البتہ حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کی یہ ایک بات کسی حد تک تسکین بخشتی ہے کہ ''اعلیٰ حضرت قبلہ کی ریاضی میں شہرت دیکھ کر بھی انہیں یقین نہ ہوا اور وہ یہی کہتے رہے کہ علمائے اسلام ریاضی کیا جانیں۔ ۳۹

رہی بات تاریخ وسن کے تعیین کی تو ڈاکٹر صاحب کے اعلیٰ حضرت سے متعارف ہونے کے تفصیل ملک العلما کے بیان کی روشنی میں گزری کہ ۱۳۲۹ھ کے قبل اخبار دبدبہ سکندری کے ذریعہ دونوں شخصیتیں ایک دوسرے سے قریب ہوئیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا اور کچھ لوگوں کے روکنے پر بھی نہ رکے، ڈاکٹر صاحب کے مزاج اور فطرت میں یہ بات تھی کہ جس چیز کو حاصل کرنے کا ارادہ کر لیتے تا دم تحصیل انہیں چین نہیں آتا تھا۔ چنانچہ مبارک شاہ تحریر فرماتے ہیں۔

''ان کی قوت ارادی حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی، جس بات کا ارادہ کر لیتے اسے پورا کر کے ہی چھوڑتے'' ۴۰

جس شخص کی قوت ارادی حد کمال کو پہنچی ہے اور شوق ملاقات اوج کمال کو، اس سے اسی بات کی امید قرین قیاس ہے کہ تعارف کے فوراً بعد وہ بریلی شریف حاضر ہوئے ہوں گے۔ اور تعارف ۱۳۲۹ھ کے قبل ہوا۔ ملک العلما مولانا محمد سید ظفر الدین ۱۳۲۹ھ میں بریلی سے شملہ چلے آئے۔ ان کے زمانہ قیام تک ڈاکٹر صاحب نہیں آئے تھے۔ تو بہت ممکن ہے کہ ۱۳۲۹ کے بقیہ ماہ ہی میں یا متصلاً ڈاکٹر صاحب تشریف لائے ہوں اور یہی ان کے مزاج کا مقتضا بھی ہے۔

دوسری بار مولانا سید سلیمان اشرف کے ساتھ تشریف لائے جس کے راوی مولانا برہان الحق جبل پوری ہیں، اس زمانے میں مولانا وہاں زیر تعلیم تھے، چنانچہ اپنی طالب علمی کے تعلق سے فرماتے ہیں: شوال المکرم ۱۳۳۲ھ کے دوسرے ہفتے میں بریلی شریف حاضر ہو گیا، اعلیٰ حضرت کی خدمت میں کم وبیش تین سال فیض حاصل کرتا رہا۔ ۴۱

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اندازاً ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء اور ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء کے درمیان واقع ہوا ہوگا۔ نیز دونوں روایتوں کا مرکزی خیال اور پلاٹ گرچہ متحد ہے۔ تاہم نقطۂ آغاز، کردار اور نقطۂ انجام جدا جدا، اس سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے

کہ جذبہ ایک ہی ہے اور وہ ہے ریاضی کا الجھا مسئلہ، جب جب یہ جذبہ سلگا تو اس کی تسکین کے لیے بریلی شریف حاضر ہوئے۔ دونوں روایتوں میں کردار و آغاز و انجام کی تفریق دوبارہ آنے کی ضمانت دیتی ہے، ان دونوں روایتوں کے داخلی عناصر بول رہے ہیں کہ یہ واقعات الگ الگ وقت میں ہوئے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ علم ریاضی کی مہارت میں جن کا ثانی نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت سے تین بار مستفیض ہوئے۔ ایک بار اخبار دبدبۂ سکندری کے ذریعہ ۱۳۲۹ھ کے قبل، دوسری مرتبہ بریلی شریف حاضر ہو کر ۱۳۲۹ھ میں یا اس کے متصلاً بعد، تیسری مرتبہ پھر بریلی شریف میں حاضر ہو کر ۱۳۳۲ھ اور ۱۳۳۵ کے درمیان، اعلیٰ حضرت کے کمال علم اور جمال عمل سے ڈاکٹر صاحب نے وہ اثر قبول کیا کہ بریلی شریف سے واپس ہونے پر داڑھی رکھ لی اور نماز کے پابند ہو گئے۔ [۴۲]

ڈاکٹر صاحب نے جب کبھی ضرورت پڑی اعلیٰ حضرت کی خوبیوں کا برملا اظہار کیا، چنانچہ ایک مرتبہ سہارن پور میں ڈاکٹر صاحب کو چائے کی دعوت دی گئی اس میں سپاس نامہ پڑھا گیا۔ جس میں یہ کہا گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ''ریاضی میں یگانۂ روزگار'' ہیں انہوں نے جوابی تقریر میں برجستہ کہا کہ ان الفاظ کے مستحق مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی ہیں وہ واقعی اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ایسا ہی انہوں نے قنوج میں بھی ایک موقع پر کہا تھا۔ [۴۳]

یہ مشتے نمونہ از خروارے رضویات کے ذخائر سے چند نمونے ہیں حقیقت یہ ہے کہ نوادرات دین و دانش سے جہان رضا مال مال ہے۔ سائنسی علوم سے لے کر مذہبی علوم تک جملہ شعبہ ہائے شعر و حکمت اور فکر و تحقیق میں آپ کا شبدیز فکر یکساں یکہ تاز ہے، جس موضوع پر پر آپ نے قلم اٹھایا ہے حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے۔

جس عنوان پر بحث کیا ہے اس کے تاجدار معلوم ہوتے ہیں جس مسئلہ کو آپ کے نوک قلم سے چوم لیا تنقید مچل اٹھی، تحقیق جھوم گئی اور بحث نے آگے بڑھ کر کہا؟

حکمت اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

علم و تحقیق اور ادب و احتیاط کی دنیا کا ایک ایسا معتبر نام ہے 'امام احمد رضا' کے اس نام کے زبان پر آتے ہی دینی و دنیوی مسائل و دلائل کی دنیا خراج تحسین پیش کرنے لگتی ہے۔ آپ کی انھیں ہمہ نوعی بوقلمونیاں دیکھ کر عرب و عجم کے مفکرین و اساطین نے عظیم القاب و آداب استعمال کر کے بھی حسن عقیدت کی تشنگی محسوس کی۔ عظیم عبقری، عالمی دیدہ ور، منفرد دانش ور، امام اہل سنت، دین و دانش کا ہمالہ، فکر و نظر کا بحر قلزم وغیرہ کہہ کر بھی یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ:

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

شمع دین مصطفوی پر اگر سائنسی نظریات کو پروانہ وار منڈلاتا دیکھنا چاہتے ہوں تو رضویات کا مطالعہ کیجئے۔ وہ جب تک ہماری نظروں کے سامنے رہے مذہب و سائنس کی توجہات کا مرکز رہے۔ حیرت یہ ہے کہ آج نظروں سے اوجھل ہیں مگر پھر بھی شمع انجمن بنے ہوئے ہیں۔ آپ کی ہزار کے قریب نادر تصانیف مختلف انداز سے روشنی پھیلانے میں مصروف ہیں، لگتا ہے وہ کل کی طرح آج بھی خدمت دین و دانش میں مشغول ہیں۔ جیسے مرقد رضا سے آواز آرہی ہے۔

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے

○○○

حوالے

جہانِ دین ودانش

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	صفحہ
۱	فقیہ اسلام بحیثیت شاعر وادیب	پروفیسر مجید اللہ قادری	۵
۲	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	ڈاکٹر مسعود احمد مظہری	۲۰
۳	// بحوالہ سوانح سراج الفقہا	// //	۳۳
۴	فتاویٰ رضویہ قدیم جلد دہم	امام احمد رضا	۱۹۵
۵	ایضاً //	// //	۲۱۴
۶	ایضاً مقدمہ	// //	۱۱
۷	حیات اعلیٰ حضرت	مکتوب بنام ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین	۲۸۸
۸	// //	// //	۳۰۲
۹	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	پروفیسر مسعود احمد مظہری	۹۸
۱۰	الملفوظ حصہ دوم	مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں قادری	۸ تا ۱۲
۱۱	افتتاحیہ الدولۃ المکیہ	پروفیسر مسعود احمد مظہری	۲۵
۱۲	ابتدائیہ الدولۃ المکیہ	علامہ اقبال احمد فاروقی	۱۴
۱۳	کرنسی نوٹ کے مسائل	امام احمد رضا	۱۵،۱۷
۱۴	الدولۃ المکیہ	امام احمد رضا	۱۵۲
۱۵	الملفوظ حصہ دوم	حضور مفتی اعظم ہند	۱۸
۱۶	کرنسی نوٹ کے مسائل	امام احمد رضا	۱۳

نمبر شمار	تصنیف	مصنف	صفحہ
۱۷	الملفوظ حصہ دوم	حضور مفتیٔ اعظم ہند	۲۷
۱۸	امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات	مولانا یٰسین اختر مصباحی	۱۸
۱۹	انتخاب حدائق بخشش	پروفیسر مسعود احمد مظہری	۲۹۴
۲۰	حیات مولانا احمد رضا	// //	۱۲۳
۲۱	فتاویٰ رضویہ جلد سوم	امام احمد رضا	۲۳۰
۲۲	// جلد چہارم	// //	۱۴۹
۲۳	حیات مولانا احمد رضا	پروفیسر مسعود احمد مظہری	۱۲۲
۲۴	مقدمہ الملفوظ	حضور مفتیٔ اعظم ہند	۵
۲۵	مکتوبات قاسم العلوم مترجم	مولانا قاسم نانوتوی	۳۷۱
۲۶	سفرنامہ شیخ الہند	مولوی حسین احمد مدنی	۱۶۶
۲۷	الحیات بعد الممات	مولوی فضل حسین بہاری	۱۳۴
۲۸	اعلام الاعلام	امام احمد رضا	۷
۲۹	ایک الزام کی حقیقت	علامہ عبد الحکیم شرف قادری	۷
۳۰	امام احمد رضا خاں ایک ہمہ جہت شخصیت	مولانا کوثر نیازی	۴۶
۳۱	محدث بریلوی	پروفیسر مسعود احمد مظہری	۱۰۹
۳۲	سیرت اعلیٰ حضرت مع کرامات	مولانا حسنین رضا خاں بریلوی	۷۵
۳۳	محدث بریلوی	پروفیسر مسعود احمد مظہری	۱۱۱
۳۴	حیات اعلیٰ حضرت	ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین	۱۵۵ تا ۱۵۷
۳۵	// //	// //	۱۵۳
۳۶	حیات اعلیٰ حضرت	ملک العلماء مولانا ظفر الدین	۱۵۲

۳۷	// //	// //	۱۵۳
۳۸	اکرام امام احمد رضا	برہان ملت مولانا برالحق جبل پوری	۵۸ تا۶۰
۳۹	سیرت اعلیٰ حضرت مع کرامات	مولانا حسنین رضا بریلوی	۷۳
۴۰	امام احمد رضا اور ڈاکٹر سرضیاء الدین	مولانا اقبال احمد اختر القادری	۲۶
۴۱	اکرام امام احمد رضا	برہان ملت مولانا برہان الحق جبل پوری	۶۰
۴۲	حیات اعلیٰ حضرت	ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین	۱۵۵
۴۳	سیرت اعلیٰ حضرت مع کرامات	مولانا حسنین رضا بریلوی	۷۴

امام احمد رضا اور علوم جدیدہ

امام احمد رضا اپنے مضبوط علم وفکر اور محفوظ شعور وادراک کی بنیاد پر اپنے پورے عہد پر چھائے رہے، علوم وفنون کے آسمان سے ادب وآگہی کے گونا گوں موتی برساتے رہے۔ یقین محکم اور محبت فاتح عالم کے بل بوتے اپنی تمام معاصر شخصیتوں کو متحیر ومسخر کرتے رہے۔ اپنی شبانہ یومیہ کدوکاوش سے بنجر زمین میں خوشنما پودے اگاتے رہے، صحرا میں پھول کھلاتے، اور پتھر سے عشق وعقیدت کے چشمے جاری کرتے رہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ردائے لالہ وگل سے لے کر پردۂ مہ وانجم تک یکساں تعظیم وتکریم کی نظر سے دیکھے جاتے رہے۔ جس دور میں آپ نے اپنے فکر وفن کا پرچم لہرایا تھا وہ دور وہ تھا جس میں بڑی بڑی عہد آفریں تاریخ ساز شخصیتیں اپنے اپنے دائرہ اثر اور حلقۂ نفوذ میں اپنے علمی وفنی معیار واقدار کی دھاک بیٹھائے ہوئے تھیں۔ ایک طرف سرسید احمد خاں کا طوطی بول رہا تھا، تو دوسری طرف شبلی وحالی کا سکہ چل رہا تھا۔ ایک طرف مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر کی لہر چل رہی تھی، تو دوسری طرف پنڈت جواہر لال نہرو، اور گاندھی جی کی آندھی میں قوم وملت بہی اور اڑی چل جارہی تھی اور یہی وہ دور ہے جس میں مولانا اشرف علی تھانوی 'حفظ الایمان' مولانا قاسم نانوتوی 'تحذیر الناس' اور رشید احمد گنگوہی وخلیل احمد انبیٹھوی براہین قاطعہ لکھ کر بالکل ایک نئے مکتبۂ فکر کی بنیاد ڈال رہے تھے غرض کہ شاہراہ حیات کی ہر ڈگر پر کھلبلی مچی تھی اپنی ٹولی میں مختلف شخصیتیں اپنے اپنے اعتبار سے کار خیر میں لگی تھیں۔ اس زاویے سے دیکھئے تو یہ دور رنگین سے رنگین بھی ہے اور سنگین سے سنگین بھی، دور زریں بھی ہے اور دور اندوہ گیں بھی، یہ اس طرح کہ اسی عہد میں مسلمات اسلام پر نئے نئے حملے بھی ہوئے۔ اسلامی قدیم افکار کی

مضبوط دیوار پر شگاف ڈالنے کی مذموم حرکتیں بھی ہوئیں قومی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی سازشیں بھی رچی گئیں۔

اور افسوس کی بات یہ ہے کہ عظمت الوہیت اور شان رسالت میں توہین وتنقیص کی جرءت وجسارت بھی ہوئی۔ایک طرف ان مسموم خیالات کے زہر سے پوری فضا متاثر ہورہی تھی تو دوسری طرف تریاق فراہم کرنے قومی اتحاد کو ٹوٹنے سے بچانے ،اور تمام تر ضروریات دین کی حفاظت کرنے کے لیے دفاعی آلات سے لیس ایک شخصیت نظر آتی ہے جو محاذ در محاذ میمنہ ،میسرہ اور قلبِ لشکر کو سنبھالتی، ہوش کے جام پلاتی ،اپنے زور علم وفکر سے اسلام کا دامن صاف کرتی ،گالی سنتی اور مسکراتی نظر آتی ہے۔نہیں سمجھ میں آیا ہو تو سنئے اسی شخصیت کو دنیا امام اہل سنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کہتی ہے۔اگر یقین نہ آئے تو میں آپ سے پوچھتا ہوں بتایئے جب حرکت زمین کا نظریہ پیش کر کے قرآنی ارشاد کے قلعہ پر گولے داغے جارہے تھے تو وہ کون تھا جو فوز مبین لکھ کر سینہ سپر ہو گیا تھا اور قرآن متصادم نظریئے کی بیخ کنی کر دی تھی۔

(۲) جب جدید آلات کا سہارا لے کر علوم خمسہ میں علم مافی الارحام کو چیلنج کیا جارہا تھا،تو وہ کون تھا جس نے الصمصام لکھ کر انگریزی نظریات کے ٹیلے کو چھلنی کر دیا تھا۔

(۳) اور جب پروفیسر البرٹ ایف پورٹا نے اپنے زعم علم میں چور ہو کر ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو آنے والی تباہی اخبارات میں چھپوا کے پورے ملک میں بے چینی پیدا کر دی تھی تو ایسے مضطرب ماحول میں وہ کون تھا جو قرار دل کا مرہم بانٹ رہا تھا،اور البرٹ ایف پورا کو اسی کی دلیل سے ذلیل کر رہا تھا۔

اس طرح کے تمام علمی دفاعی مورچہ پر جو ذات علم بردوش نظر آتی ہے وہ صرف امام احمد رضا کی ذات ہے ،پیش کردہ یہ وہ مخادات ومقامات ہیں جہاں آپ کے تمام معاصرین بے بس نظر آتے ہیں،وہ صرف امام احمد رضا ہیں جو ایسے نازک موڑ پر ایک طرف قوم وملت کی ڈوبتی ڈگمگاتی کشتی کے لیے ناخدائی کا فریضہ انجام

دیتے نظر آرہے ہیں۔تو دوسری طرف اسلام کا تقدس بچانے کی فکر میں شب وروز منہمک دکھائی دے رہے ہیں،ہمیں اس اظہارِ میں کوئی باک نہیں کہ سچائی یہی ہے کہ جس نے ایسے پرخطر اور بھیانک ماحول میں قوم وملت کا سر فخر سے اونچا کیا،اور پوری دیانت داری سے دین وسنت کا کام کیا وہی قوم کا اصل ہیرو، آئیڈیل اور رہبر ورہنما ہے آپ اس دور کی تمام نامور،قدآور شخصیتوں کا علمی اور عملی بنیاد پر بے لاگ محاسبہ کیجئے آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ برصغیر کے جملہ مکاتب فکر کی تمام عظیم شخصیتوں پر تنہا امام احمد رضا کا علم وعمل وزنی اور بھاری تھا۔پچھلے اوراق میں ان کی دین ودانش کی جامعیت کی چند مثالیں آپ دیکھ چکے ہیں یہاں پر ہم صرف علوم جدیدہ یعنی سائنسی علوم کے کچھ اور انوکھے جلوے دکھانے اور نہاں گوشوں کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۱) معاشیات

روزی روزگار کا مسئلہ آج کا بڑا پیچیدہ اور بحث آرا مسئلہ ہے ہر فرد کی ضرورت اور اس کی اہمیت ہی کے پیش نظر باضابطہ طور پر اس نظریہ کو کالج ویونیورسٹی میں لازمی سبجیکٹ کے طور پر شامل نصاب کیا گیا ہے۔معاشیات کے مختلف گوشوں پر اصلاحات کے نکات سے لبریز مقالات تیار کیے گئے ہیں اور کیے جارہے ہیں۔ماہرین کی جماعت ہے جو صبح وشام اسی فکر میں ہے کہ انفرادی واجتماعی صوبائی وملکی خوشحالی لانے اور سبز انقلاب برپا کرنے کی کیا کیا صورتیں ہوسکتی ہیں۔اور کون سی ترکیب ہوسکتی ہے جس سے نقصان وخسران سے بچا جاسکتا ہے اور نقصان ہو جانے پر بھرپور بھرپائی کی جاسکتی ہے۔لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ جدید معاشی نظریہ سب سے پہلے امام احمد رضا نے پیش کیا ہے مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی،معاشی بدحالی دور کرنے اور اسے خوشحالی سے بدلنے کے لیے آپ نے

''رسالہ تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' تحریر فرمایا جو ۱۹۱۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ اپنے اس رسالہ میں آپ نے یہ چار نکات پیش کیے ہیں۔

(۱) ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے، مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں۔ تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں پس انداز ہو سکے۔

(۲) بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

(۳) مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

(۴) علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔

یہ چار نکات اس وقت کے ہیں جب معاشی خوشحالی کی باریکیوں سے دنیا کے کان نا آشنا تھے اور اس عالم دین کے ہیں جس نے کالج و یونیورسٹی میں بغرض تحصیل علم کبھی قدم نہیں رکھا، مگر نکات ایسے گہر آفریں، اہمیت بدوش، اور فکر انگیز ہیں کہ آج یونیورسٹیوں کی معاشی تھیوری اس کا طواف کر رہی ہے، پہلے نکات میں آپ نے ایک تیر سے کئی شکار کیا ہے۔ پہلا یہ کہ مسلمانوں سے آپ نے ہمدردانہ اپیل کی ہے کہ وہ پیسے کی قدر کریں۔ آپ روپیہ بیجا لٹا رہے ہیں اور کتنے آپ کے بھائی ہیں جو نان شبیہ کو ترس رہے ہیں۔ آپ مقدمہ لڑ کر مقدمہ بازی میں بے دریغ پیسہ خرچ نہ کریں، خدانخواستہ مقدمہ لڑنا ہی پڑ جائے تو اپنی عدالت میں مقدمہ لڑیں، ایسا نہیں ہے کہ ہماری قوم فکری گرفت وگذاشت سے خالی ہے، قوت فیصلہ سے محروم ہے، ہم میں ایک سے بڑھ کر ایک دیدہ ور، معاملہ فہم، باریک بین اور فکر سالم کے حامل افراد موجود ہیں۔ ہم اپنا معاملہ جب آپس میں مل بیٹھ کر حل کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں تو دشمن دین وقوم انگریز اور دیگر غیر مسلم کی چوکھٹ پر انصاف کی بھیک مانگنے کیوں جائیں۔ اسلام عالمی اور دائمی مذہب ہے۔ ہم دنیا کو بھیک دینے والی قوم ہیں۔ ہم

دنیا کو ہمہ نوعی بھیک دینے آئے ہیں، بھیک لینے نہیں آئے ہیں۔ پہلے ہم خود اپنی قدر کرنا سیکھیں۔ اپنے مقام ومرتبہ کو سمجھیں۔ خدا نے ہمیں جو نعمت دی ہے اس نعمت سے خود فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔ اس لیے انگریزوں کی کچہری جانا چھوڑیں اپنی خالص اسلامی کچہری کی بنیاد ڈالیں۔ یہاں پر اعلیٰ حضرت نے پس پردہ اسلامی عدالت کے قیام کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔ بعد میں جب آپ نے مسلمانوں کی حالت دگرگوں ہوتے دیکھی تو خود شرعی عدالت کا قیام کیا جس میں بحر العلوم علامہ عبد المنان صاحب اعظمی کے بقول اپنے خلف اصغر حضور مفتیٔ اعظم ہند کو ''قاضی'' اور صدر الشریعہ وبرہان ملت کو مفتی کی ذمہ داری بخشی تھی۔ آج لاکھوں نہیں کروڑوں روپے مقدمہ میں پانی کی طرح بہہ رہے ہیں، اگر ہم نے اعلیٰ حضرت کی تجویز پر عمل کیا ہوتا اور عدالت شرعیہ کو ضلع ضلع اور صوبہ صوبہ رائج ونافذ کیا ہوتا تو اپنی ایک شان بھی ہوتی، جمعیت کی اہمیت کا پتہ بھی چلتا۔ اسلامی احکامات کی برکات سے شہر شہر اور گاؤں گاؤں فیض یاب ہوتا۔ غلط فیصلے کے برے نتائج سے بھی بچتے اور مسلم قوم غیر مسلم کورٹ کے پیچھے لاکھوں روپے خرچ کر کے بدحال وکنگال بھی نہیں ہوتی۔ اگر بغور دیکھئے تو اعلیٰ حضرت نے اس ایک نکتہ میں تین ہدایات کی ہیں۔

(۱) دولت پس انداز کرنے کے لیے باہم مقدمہ کا فیصلہ کرنا۔

(۲) غیر کی دہلیز پر جانے کی ذلت سے محفوظ رہنا۔

(۳) اسلامی عدالت قائم کر کے شرعی احکامات کے فیوض وبرکات کو عالم آشکار کرنا، خود فیض اٹھانا اور دوسروں کو فیض بار کرنا۔

(۲) دوسرے نکتہ میں آپ نے ہندوستان کے پانچ بڑے شہروں کے نام لے کر وہاں کے مالدار مسلمانوں کو مہمیز کیا ہے۔ ان کی غیرت کو جھنجھوڑا، اور ان کی حمیت کو للکارا ہے۔ کھلے لفظوں میں انہیں بینک کھولنے کی ہدایت دی ہے۔ اور واضح کر دیا ہے کہ اسلام صرف نماز روزے کی دعوت نہیں دیتا وہ مسلمانوں کے چہرے سے غبار

ملال مٹا کر مسکراہٹوں کے اجالنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ان کی معاشی ابتری کو دور کرنے کی حکمت وتدبیر سے بھی لیس ہے۔اور یہی وہ مذہب ہے جو اپنے دائرہ کار واختیار میں رہ کر زراندوزی کی راہ بھی دکھاتا ہے پیسہ پس انداز ہونے کے جتنے بھی طریقے ہوسکتے ہیں ان میں شرح نموسب سے زیادہ بینکاری نظام میں ہے،اس لیے مسلمان بینک قائم کریں۔قوم کو فارغ البالی کی محفوظ راہ پر لگائیں۔پیسہ ہوگا تو قوم خوش حال ہوگی،قوم خوش حال ہوگی تو اس کی قدر ومنزلت ہوگی، جب اس کی قدر ومنزلت ہوگی تو دوسری قومیں اس کے قریب آئیں گی۔اس طرح ہدایت کا نور دور دور تک پہنچنے کا موقع میسر آئے گا۔اور پیسہ ہوگا تو دین کا کام آگے بڑھے گا۔

دینی ضرورت کی تکمیل آسان ہوگی۔تہی دست ودامن قوم عالمی اسٹیج پر کیا اپنا چہرہ دکھائے گی۔اس لیے ہر جائز طریقے سے روپیہ کماؤ۔روپیہ بچاؤ اور ان میں سب سے مفید صورت بینکاری نظام کی ہے اس لیے اپنا بینک کھولو۔اپنا اصول اپناؤ اور اپنے اصول کی افادیت سے دنیا کی جھولی بھر دو۔امام احمد رضا دینی ودنیاوی پہلے دانشور ہیں جنھوں نے بینکنگ کے نظام کی بات کی ہے اور نکات دد یئے ہیں۔جن لوگوں نے ان ہدایات کی معنویت ومعقولیت کو سمجھا اور عمل کیا آج دوسری قومیں انہیں للچائی نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔جن لوگوں نے ان جواہر غالیہ اور نکات نافعہ کی قدر کی وہ آج قدر کی نگاہ سے دیکھے جارہے ہیں۔آج جب کہ دنیا عالمی اقتصادی بحران کے طوفان میں گھرتی جارہی ہے۔اچھے اچھے سپر پاور ملکوں کی معیشت لڑکھڑا رہی ہے۔درون ملک بے روزگاری کا واویلا مچا ہوا ہے ایسے میں آہستہ آہستہ لوگوں کی آنکھیں کھل رہی ہیں۔اسلامی نظام بینک کے دروازے پر جھانکنے لگے ہیں اور انہیں اپنانے کی فکر میں یک جٹ ہورہے ہیں۔کیسی پیش بینی، گہرائی موزونیت اور معروضیت تھی امام احمد رضا کی فکر میں لوگ وہیں آرہے ہیں جہاں برسوں پہلے امام احمد رضا نے آنے کی دعوت دی تھی۔کاش مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگانے والے

لوگ بھی اس راز کو سمجھتے،اس نکتہ پر غور کرتے اور رضوی ہدایات ونکات پر مبنی بینک قائم کرتے تو رضا کی روح بھی مسکراتی،دعا دیتی اور قوم وملت کا بھی بھلا ہوتا۔آج ہم میں ایسے ایسے سرمایہ دار موجود ہیں کہ چاہیں تو اکیلے بڑے سے بڑے بینک کھول سکتے ہیں۔مگر امام احمد رضا کی فکر کی کس کو فکر ہے۔فکر رضا سے متصادم معمولات ومراسم پر بے دریغ روپیہ خرچ ہورہا ہے مگر ہم میں ایک عالمی سطح کا تو کیا؟ملکی سطح کا حامل کوئی جامعہ نہیں ہے،کوئی ہاسپیٹل نہیں ہے کوئی تنظیمی ادارہ نہیں ہے،کوئی اسلامی بینک نہیں ہے یہ غفلت اپنی موت کے محضر نامے خود دستخط کرنے کے مترادف نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا۔

(۳) تیسرے نکتہ میں آپ نے اپنے ہی لوگوں سے لین دین،کاروبار اور خرید وفروخت کرنے کی بات کی ہے،تحریر کے مضمرات بول رہے ہیں کہ یہ نکتہ عہد رضا کے منظر نامہ کا آئینہ دار ہے۔مگر عمومیت اور افادیت کے نقطہ نظر سے ہر دور کی ضرورت ہے،جس دور میں اعلیٰ حضرت نے یہ نکتہ پیش کیا ہے۔اس دور کے حالات بھی کچھ ایسے ہی تھے۔مسلمانوں کے تعلق سے دلوں میں نفرت شعلہ زن تھی،ان سے سوتیلا سلوک عام تھا۔ان کو صفحۂ ہستی مٹانے کی تدبیریں ہورہی تھیں۔خفیہ طور پر انہیں کمزور کرنے،بے دست وپا بنانے کی اسکیمیں بنائی اور انہیں مختلف بہانوں سے عمل میں لانے کی فکر ہر قلب کو بے چین کئے ہوئے تھیں۔فساد کی آگ سے گاؤں گاؤں سلگ اٹھتا مگر جب سوزش تھمتی تو مسلمانوں کے جان ومال کی تباہی دیکھ کر حساس قلب خون کے آنسو روتا **الکفر ملة واحدة** کے بمصداق متحدہ محاذ قائم ہو چکا تھا۔ان کی کوشش ہوتی کہ ہم اکثریت میں ہیں،ہم اپنی ضرورت کی کفالت خود کر سکتے ہیں،لہٰذا خرید وفروخت سب ہم آپس ہی میں کریں تاکہ مسلمانوں کی مالی حالت خستہ وشکستہ ہو جائے۔اور مجبور ہوکر وہ ملک چھوڑ جائیں۔ایسے ناگفتہ بہ حالات میں کسی بھی قائد کی نظر اس پر نہیں پڑی کہ مسلمانوں کا وجود کتنے خطرے میں

ہے۔اندر اندر کیا ہو رہا ہے، کیسی سازش رچی جا رہی ہے، مسلمانوں کو ملک بدر کرنے
کا کیسا خفیہ خاموش اور خطرناک پروگرام طے پا رہا ہے، ملک وملت کے بڑے
بڑے ٹھیکے داروں اور ان کے ناموس کی حفاظت کے دعویداروں کے لیے ہیچ صرف
اعلیٰ حضرت تھے جنہیں خدا نے نور بصیرت سے ایسا نوازا تھا کہ پہلی ہی نظر میں
معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے۔ آخر وہی ہوا، اگر کسی نے معاملات کی نزاکت کو بخوبی
سمجھا۔ مسلمانوں کو سنبھالا دیا۔ اور مالی کمر مضبوط بنانے کا پروگرام پیش کیا تو وہ اعلیٰ
حضرت ہیں۔ ایک جملہ میں منظر پس منظر سمو کر رکھ دیا۔ ''مسلمان اپنی قوم کے سوا
کسی سے کچھ نہ خریدیں'' یعنی مسلمان بھائیو! کیوں غیروں سے لین دین کر کے
انھیں فائدہ پہنچاتے ہو، تمہاری خرید فروخت سے ان کی مالی حالت مستحکم ہوتی ہے۔
آپس میں لین دین کرو لین دین کرو تاکہ اس کا فائدہ ہماری قوم ہی کو پہنچے۔ تدبیر وہ
کرو کہ قوم مضبوط ہو۔ قوم محفوظ ہو، کسی کے برا چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، ہم اللہ پر
توکل کرنے والی قوم ہیں۔ خدا کی ذات پر بھروسہ رکھیں اور قدم بڑھائیں، وہ دیکھئے
فارغ البالی وخوش حالی آپ کے انتظار میں ہے۔

(۴) چوتھے اور آخری نکتہ میں امام احمد رضا نے مالی خوش حالی کو دینی خوشحالی
سے جوڑ کر کمال فکر وفہم کا جوہر دکھایا ہے، صاف کہتے ہیں علم دین کی ترویج واشاعت
کریں، آخر علم دین کی ترقی سے مالی خوشحالی کا اور مالی خوشحالی کا علم دین کی تبلیغ سے کیا
ربط ہے۔ یہاں پر امام احمد رضا ایک بین الاقوامی مدبر کے روپ میں نظر آتے ہیں۔
درحقیقت یہ قوم کھانے پینے اور دنیا سے چلی جانے کے لیے نہیں ہے اس قوم کی ذمہ
داریوں میں اہم ترین ذمہ داری لوگوں کو نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے روکنا بھی
ہے۔ جسے یہ قوم بھول رہی ہے امام احمد رضا نے یاد دلایا اور احساس کو مہمیز کیا خواب
غفلت پر ضرب لگائی کہ اپنی ذمہ داریوں سے بے پرواہ نہ ہوں، کل خیر امت کے
حوالے سے آپ سے باز پرس ہوگی۔ یہ دنیا ہے، یہ آخرت کی کھیتی ہے جو جیسا بوئے

گا کاٹے گا۔ یہاں کی تمام ذمہ داریوں سے آپ کو انصاف کرنا ہی ہوگا۔ اور ذمہ
داریوں کا حق ادا کرنے کے لیے علم دین کی ضرورت ہے کہ آپ حالات کے نشیب
وفراز کو سمجھیں، تاکہ انصاف رہے، رواداری رہے۔ سلامت روی رہے۔ سنجیدگی اور
بردباری رہے۔ یہ علم دین ہی ہے جو ان تمام جوہرات سے آپ کو مرصع کر سکتا ہے
جو اپنے امین کو عالمی قیادت کا ہنر بخشتا ہے بات یہ ہے کہ جسے علم دین کہا جاتا ہے یہ
قرآن وحدیث کا عطر مجوعہ ہے۔ اسی علم کی برکت نے فرشتوں کی تقدس مآب
جماعت پر حضرت آدم کو برتر کیا تھا۔ آپ حضرت آدم کی اولاد۔ یعنی آدمی ہیں اس
محفل دنیا میں عظیم سے عظیم تر انسان رہتے اور بستے ہیں۔ ان کے بیچ آپ کو سربلند
وسرفراز رہنا ہے تو یہی علم ہے جس کی تحصیل اور جس کے فرمودات کی تکمیل آپ کو بلند
وبالا اور افضل واعلیٰ رکھ سکتی ہے، آپ چاہے جس منصب پر ہوں اسرار علم سے بے خبر
نہ رہیں۔

آج مسلمانوں کی ذلت کی اس علم سے غفلت اور اس کے مقتضیات سے بے
توجہی کی وجہ سے ہے۔ میں نے ثم تسئلن یومئذٍ عن النعیم کی تفسیر میں
کہیں دیکھا ہے کہ یہاں دنیا میں خدا جس کو جو بھی نعمت چاہے جس شکل میں دے
اس سے آخرت میں اس نعمت کے متعلق حساب ہوگا۔ مثلاً بہ شکل عہدہ کسی کو کسی مدرسہ
کا سکریٹری وغیرہ اگر بنایا گیا ہے تو اس عہد ذمہ داری سے متعلق سوال ہوگا کہ آپ
مدرسہ کے صدر تھے، سکریٹری تھے، فلاں فلاں عہدے پر تھے۔ بتائیے آپ کے
زمانے میں کیا کیا ہوا۔ مدرسہ نے کتنی ترقی کی کتنے مخلص علما وحفاظ نکلے۔ کتنے جانباز
قراء وفضلا کی جماعت تیار ہوئی۔ آمد کہاں کہاں سے آئی اور خرچ کہاں کہاں ہوا،
حقدار کو اس کا حق پہنچا کہ نہیں، مدرسین وطلبا یہ مہمانان رسول کریم تھے آپ نے
میزبانی کا حق کتنا ادا کیا۔ کسی کی دل آزاری تو نہیں کی۔ کسی کا حق تو نہیں دبایا۔ اپنے
عہدے کا غلط استعمال کر کے کسی پر دھونس تو نہیں جمایا، اور آپ مسجد کے صدر

سکریٹری حضرات ہیں۔آپ خالص میرے گھر کے پاسبان ونگہبان تھے۔بتایئے آپ کے زمانے میں عقیدہ کا کتنا کام ہوا، کتنے بے ایمان کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ کتنے بد کردار صاحب کردار بنے۔اسلام وسنیت کے امور سے کتنے لوگ سیراب ہوئے، کتنے بے نمازی، نمازی بنے، کتنے لوگوں کے دلوں میں مسجد کی محبت راسخ ہوئی اور خود پھر علما سے بھی نعمت علم پر پوچھ تاچھ ہوگی کہ علم کہاں کہاں خرچ کیا۔اپنے علم سے خود کتنا فائدہ اٹھایا اور کتنوں کو فائدہ پہنچایا۔وغیرہ وغیرہ۔اپنی اپنی ذمہ داری کے حوالے سے سب کو جواب دہ ہونا ہے، جواب بھرے میدان محشر میں وہ بھی احکم الحاکمین کے دربار میں کتنا مشکل ہے۔ذرہ برابر بھی خوف خدا کی رمق موجود ہوگی تو رونگٹے کانپ اٹھتے ہیں۔مگر اب تو عالم یہ ہے کہ علم دین سے بالکل نا بلد۔اسلامی فکر سے یکسر ناواقف، عمل سے کوسوں دور بلا تکلف مسجد ومدرسہ کے ذمہ دا بن رہے ہیں۔سوچئے مسجد ومدرسہ خالص دینی علمی وعملی مرکز ہیں ،ایسے حساس اداروں کے ذمہ داران جب علم وعمل سے کورے لوگ بنیں گے تو کیا علم ترقی کرے گا۔مدرسہ پھلے پھولے گا۔اور یہاں سے اچھی جماعت تیار ہو کر نکلے گی۔اور مسجد اسلامی بہاروں سے آشنا ہو سکے گی۔آج اسی وجہ سے مساجد ومدارس کی غالب اکثریت اپنے احوال پہ نوحہ کناں لفظ بے معنی کا گلہ کر رہی ہے۔اسی لیے اعلیٰ حضرت رسمی مدرسہ کے قیام اور برائے نام تعلیم کے حامی نہ تھے۔ان کا کہنا اور ماننا تھا کہ عظیم الشان مدارس کھولے جائیں باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔(اس نکتہ پر تبصرہ آرہا ہے)

اپنے پیش کردہ مذکورہ بالا تینوں نکات پر اعلیٰ حضرت کو ایسا یقین ہے کہ لگتا ہے کہ خوشحالی کا ساون برسنے ہی والا ہے۔اسی اذعان کے شامیانہ تلے آپ گوہر فشاں ہیں کہ مسلمانو! آپ ان نکات پر عمل کر کے دیکھئے خوشحالی یقیناً آئے گی۔مگر ہاں خوشحالی جب آئے تو خود سر اور ستم گر بن جایئے۔علم دین کا دامن تھامے رکھئے یہ آپ کو بے لگام نہیں رہنے دے گا۔کمایئے خوب کمایئے مگر حلال کمایئے حرام کو ہاتھ مت

لگایئے۔اسی لیے معاشی عروج وارتقاء کی تجاویز کے بالکل اخیر میں فرماتے ہیں۔

'علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔آپ صاحب مال ہو گئے، جس خدا نے دولت دی ہے اسی خدا کے دین کے فروغ میں اپنی دولت لگایئے۔آپ کی دولت کو خداوندی تحفظ مل جائے گا۔آپ دنیا کی خدمت کریں گے خدا آپ کی دولت کی حفاظت فرمائے گا۔بلکہ اس کا وعدہ تو یہاں تک ہے کہ ان تنصروا اللہ ینصرکم ویغفر لکم ذنوبکم۔ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو خدا تمہاری مدد فرمائے گا اور مزید برآں تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ایک خدمت کے صلے میں دو دو بشارتیں دی جا رہی ہیں۔ایک دنیا میں قدم قدم پر خدا کی نصرت واعانت اور آخرت میں مژدۂ مغفرت۔

تبھی تو اعلیٰ حضرت نے معاشی نظریات میں علم دین کی خدمت کو شامل رکھا تاکہ مسلمان دنیا میں فائز المرام اور آخرت میں شادکام رہے اور جس کی دنیا وآخرت دونوں آباد ہو جائے وہی تو اپنے زمانے میں مقدر کا سکندر ہے۔

پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی کوئیز یونیورسٹی کنیڈا نے امام احمد رضا کے ان معاشی نکات پر بڑا وقیع وبسیط مقالہ تحریر فرمایا ہے، آپ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

''۱۹۱۲ء میں جب کہ یہ نکات شائع ہوئے برصغیر میں علم اقتصادیات کا مطالعہ عام نہیں تھا۔۱۹۳۶ء میں ایک انگریز ماہر اقتصادیات جے ایم کینز نے اپنا مشہور زمانہ نظریہ روزگار وآمدنی پیش کیا، کینز کو ان کی خدمات کے صلے میں تاج برطانیہ نے ''لارڈ'' کے خطاب سے نوازا، جدید اقتصادی نظریات کی ابتدا ۱۹۳۰ء کے بعد سے ہوئی۔ یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ نگاہ مرد مومن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ ہی میں دکھا دی تھی۔(۱)

۱۹۳۶ میں جدید معاشی نظریہ پیش کرنے والے کو ''لارڈ'' جیسے عظیم خطاب سے اگر نوازا جا سکتا ہے تو پھر وہ شخصیت کیسے عظیم تر خطاب کی مستحق ہوگی جس نے ۲۴

برس پہلے ۱۹۱۲ء ہی میں یہ نظریہ پیش کر دیا تھا۔ اب چاہیے کوئی کچھ بھی کہے حق یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں جو بینکنگ نظام چل رہا ہے اس کے بانی امام احمد رضا ہیں، اس موضوع پر بھی آپ کی کئی کتابیں موجود ہیں۔ یہ زندہ قوم کی تابندہ علامت ہے کہ کارنامہ گر شخصیت کی ملکی سطح پر حوصلہ افزائی کی جائے، مگر برا ہو متعصّبانہ ذہنیت کا جس نے قوم مسلم کے سوچ وفکر کے سر چشمہ ہی کو منجمد کر رکھا ہے۔ دل میں اعتراف حقیقت کا جذبہ موجود ہوتے ہوئے بھی زبان اظہار بیان سے قاصر نظر آتی ہے، جس کا خمیازہ ہے کہ ہماری عالمی شخصیتوں کا آفاقی پیغام بھی ارتعاشی لہروں کی نذر ہو جاتا ہے اور دنیا یہ سمجھتی ہے کہ ہم میں کوئی عبقری نہیں ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ اپنی عظمت کا لوہا منوانے کے لیے فکری تنگناؤں کے حصار سے نکل کر امام احمد رضا جیسی شخصیت کو عالمی اسٹیج پر پیش کیا جائے۔ ؎

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

(۲) فلکیات

ایک صاحب دین نے جب دریافت کیا کہ رمضان شریف کی رات کے ساتویں حصے کے باقی رہنے پر کھانا، پینا چاہیے کہ نہیں؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے جو فتویٰ تحریر فرمایا ہے وہ نہ صرف آپ کی مذہبی معلومات کے لیے گنج گرنما یہ ہے۔ بلکہ تلاش حق کے لیے آپ کی جو کاوشیں تھیں اس کے لیے بھی مہر تصدیق ثبت کرتا ہے، جواب میں اعلیٰ حضرت اپنے تجرباتی مشاہدوں اور فلکیاتی مطالعوں کی بنیاد پر فرماتے ہیں۔

”مذکورہ عام طریقہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے، کبھی رات کا ہنوز چھٹا حصہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہو جاتی ہے اور کبھی ساتواں، آٹھواں، نواں یہاں تک کہ صرف دسواں حصہ رہتا ہے کہ اس وقت صبح جاتی ہے، سائل

چوں کہ شہر کہنہ بریلی کے رہنے والے تھے، لہٰذا امام احمد رضا نے بریلی اور اس کے موافق العرض شہروں کے لیے رؤس اور بروج کا ایک نقشہ ہی مرتب کر دیا، جو تا ابدان کے لیے رات اور صبح کی حقیقت کی نشان دہی کرتا رہے گا اور اس کا جھنجھٹ ہی نہ رہے گا کہ انتہائے وقت سحری ہوگی (ملاحظہ فتاویٰ رضویہ، چہارم، ۶۱۹)

اوقات صوم کے ساتھ اوقات صلوٰۃ بھی امام احمد رضا کی اولیات بلکہ عطیات سے گرانقدر عطیہ ہے۔ اس لیے کہ آپ سے پہلے اوقات صوم وصلوٰۃ کا کوئی چارٹ کہیں نہیں تھا آپ نے اس ضرورت کو محسوس فرمایا اور اوقات صلوٰۃ مرتب فرما کر قوم وملت کے حوالہ کر دیا۔ یہ تمام مسجدوں میں آویزاں اوقات صوم وصلوٰۃ اسی نقش کا عکس ہیں۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ طارق (علیگ) رقم طراز ہیں۔

”برصغیر ہند و پاک کی ہر مسجد میں نقشہ نظام اوقات صلوٰۃ سے استفادہ کرنے والے بیشتر حضرات شاید اس سے بے خبر ہیں، کہ یہ نظام اوقات امام احمد رضا خاں کی دین ہے۔“(۲)

فن توقیت کے متعلق سے امام احمد رضا خود فرماتے ہیں۔

”اوقات صحیح نکالنے کا فن جسے ”توقیت“ کہتے ہیں ہندوستان کے طلبا تو طلبا اکثر علما اس سے غافل ہیں نہ وہ درس میں رکھا گیا ہے، نہ بینات کی درسی کتابوں سے آ سکتا ہے۔(۳)

فن توقیت میں اعلیٰ حضرت کے کمال کا یہ عالم تھا کہ سورج آج کب نکلے گا اور کس وقت ڈوبے گا، اس کو بلا تکلف معلوم کر لیتے تھے، ستاروں کی معرفت اور ان کی شناخت پر اس قدر عبور تھا کہ رات میں تارا دیکھ کر اور دن میں سورج دیکھ کر گھڑی ملا لیا کرتے تھے اور وقت بالکل صحیح ہوتا تھا۔ جب حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں ملک العلماء، مولانا ظفر الدین بہاری اور مولانا غلام محمد بہاری نے اعلیٰ

حضرت سے فن توقیت حاصل کرنا شروع کیا تو اس فن میں کوئی کتاب نہ ہونے کے باعث اعلیٰ حضرت اس کے قواعد زبانی ارشاد فرمادیتے اور یہ حضرات ان کو لکھ لیتے مولانا ظفرالدین بہاری نے ان قواعد کو ایک کتاب میں جمع کیا اور اپنی طرف سے تشریح اور مثالوں کا اضافہ کرکے ''الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت'' کے نام سے اس کو شائع کیا۔ حضور ملک العلما نے اس فن پر اور بھی تاریخی کام کیا ہے، مثلاً آپ کی ایک کتاب اور ہے جس کا نام ''موذن الاوقات'' ہے، یہ کتاب بار بار چھپی اور مسجد مسجد پہنچی ہے، ایک لمبے عرصے تک پورے ملک میں اسی کتاب کی مدد سے اوقات صوم وصلوٰۃ متعین ہوتے رہے بعد میں اسی مشہور زمانے کتاب کی روشنی میں لوگوں نے ایک صفحی چارٹ مرتب کیا جو، اب تمام مساجد میں آویزاں ہے، مگر یہ علمی خیانت کبھی معاف نہیں ہوگی کہ چارٹ تو چھاپا مگر موذن الاوقات کا کہیں نام نہیں دیا۔

بہر حال شاگرد کا جب یہ عالم ہے استاذ کا عالم کیا ہوگا۔

(۳) ریاضیات

امام احمد رضا نے جس سبجیکٹ پر قلم اٹھایا، نوادرات افکار سے قرطاس وقلم کا نصیبہ چمکا دیا، دنیا میں جتنے علوم وفنون ہیں، ہر ایک سے احکام دینیہ کی تقویت وتائید کام لیا جاسکتا ہے لیکن فنی مہارت کے بغیر کسی بھی علم سے اس موضوع پر کام لینا عادتاً محال ہے۔ اس لیے علمائے دین کی ایک جماعت نے ہر دور میں کسی نہ کسی عقلی یا ریاضی فن میں مہارت کی طرف توجہ دی۔ اور اس سے دینی مسائل کے لیے قوت فراہم کی، ان فنون میں علم ریاضی ایک بہت ہی نتیجہ بخش، اور صحیح رہنما فن ہے، تجربات کی ہزاروں منزلوں سے گذرنے کے بعد اس فن کو وہ مقام حاصل ہوا کہ کسی عقلی فن کو صحت نتیجہ کے اعتبار سے یہ مقام نہ مل سکا۔ امام احمد رضا نے اپنے وفور علم ژرف نگاہی، وسعت مطالعہ، اور قوت فکر سے اس فن کو بھی مالا مال کیا ہے اور

حسب ضرورت وموقع مسائل دینیہ کی تائید وتقویت میں برمحل استعمال کیا ہے۔

ڈاکٹر حسن رضا خاں، پٹنہ فرماتے ہیں:

''علم ریاضی سے اعلیٰ حضرت نے علم فقہ کی جتنی خدمات کیں ہیں پوری تاریخ اسلام میں ایک مثالی کارنامہ ہے مثلاً، سمت قبلہ، طلوع وغروب اوقات صوم وصلوٰۃ کی تخریج، زکوٰۃ وفطرہ کے لیے اوزان وپیمانہ کا تعین۔ مسافت سفر کی تقدیر، وغیرہ بے شمار مسائل پر آپ کی نادر تحقیقات اور ایجادی قواعد وضوابط نے فقہ اسلامی میں ایک مہتم باب کا اضافہ کیا۔''[۴]

فن ریاضی میں اعلیٰ حضرت کی گہرائی وگیرائی اور حاضر العلمی کا مقام کیا تھا وہ علم ریاضی کے فلک ہفتم پر مسند نشیں ہوکر کس طرح ضوباری کررہے تھے، کیف وکم کے اعتبار سے اگر کوئی پرکھنا چاہے تو خود اس کے لیے کیسی مہارت وحذاقت کی ضرورت ہے، ڈاکٹر سید عبد اللہ طارق بیان فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا کی حسابی باریکیوں کو سمجھنے کے لیے کم از کم ایم، ایس، سی (ریاضی) کی استعداد کی ضرورت ہے۔''[۵]

اس مہارت وممارست کے باوصف کہ ماہرین ریاضی کی عقلیں حیران ہیں۔ اس فن میں آپ کا کوئی استاذ نہیں ہے، یہ آپ کی طبع زاد چیز ہے۔ چنانچہ جب ایک موقع پر علم ریاضی کے حوالے سے آپ سے پوچھا گیا کہ اس فن میں آپ کا استاذ کون ہے تو برجستہ ارشاد فرمایا:

''میرا کوئی استاذ نہیں ہے میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ سے صرف چار قاعدے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے اس لیے سیکھے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کیوں اپنا وقت اس میں صرف کرتے ہو،

سرکار مصطفیٰ پیارے آقا ﷺ کی سرکار سے یہ علوم تم کو خود ہی سیکھا دیے
جائیں گے۔ چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں مکان کی چادر یواری کے
اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں، یہ سب سرکار رسالت ﷺ کا کرم ہے۔؎
پچھلے اوراق میں آپ نے دیکھا ہے کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین جن کی ریاضی دانی
عالمی سطح پر مسلم تھی۔ بڑے بڑے فن کے ماہرین جن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے
تھے۔ ایسے ماہر ریاضی بھی اعلیٰ حضرت کی وسعت معلومات اور دقت نظری کے
سامنے طفل مکتب نظر آرہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ علوم جدیدہ آپ نے کسی استاذ
سے پڑھا ہوتا تو کہیں نہ کہیں بشری تقاضے سے کچھ لچک ہوسکتی تھی مگر جو علم معلم
کتاب وحکمت مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی بارگاہ علوم پناہ سے حاصل ہوا ہے، اس
کے سمندر کی پہنائی کا کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔ ایسے علوم کو دنیا والوں کے لیے
حیران کن ہونا ہی چاہیے۔
علم ریاضی میں بے پناہ رسوخ اور عبقریت کا ہی ادنیٰ سا فیض اور نشان ہے کہ
عنایت اللہ المشرق نے جب یہ کہہ کر کہ برصغیر کی تمام مسجدوں کی سمت قبلہ غلط ہے،
تہلکہ مچا دیا تھا، تو جواب تو بہتوں نے دیا مگر جس نے المشرقی کا جارح قلم توڑ کر
رکھ دیا۔ وہ فاضل بریلوی ہی کا شاگرد ملک العلماء تھا یہ بھی المشرق کی خوش قسمتی رہی
کہ اتفاق سے اس وقت فاضل بریلوی رحلت فرما چکے تھے۔ ورنہ جس کے شاگرد
نے اس کی ایسی درگت بنائی تھی اگر خود وہ استاذ سامنے ہوتا تو اس کی کیا حالت
ہوئی، پھر تو مشرقی کو نہ مشرق میں پناہ ملتی نہ مغرب میں۔

(۴) علم کیمیا

آپ نے فتاویٰ رضویہ تیمم کے باب میں جنس ارضی اور آگ کا تذکرہ اور ایک
سو اسی ۱۸۰ چیزوں کے نام جن سے تیمم کیا جا سکتا ہے۔ پھر ایک سو تیس چیزوں کے

نام جن پر تیمم جائز نہیں، اس تفصیلی وضاحت کے ساتھ مدلل ذکر کیا ہے کہ عقل حیران
رہ جاتی ہے، آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور زیرکی دانائی سوچ میں پڑ جاتی ہے کہ آیا
اعلیٰ حضرت، علوم دینی و دنیوی کے مخزن ہیں۔ یا منبع و سرچشمہ اعلیٰ حضرت نے جنس
ارضی کی تجدید و تقدیر کو چار مقام پر تقسیم فرمایا ہے، مقام اول تجدید جنس کے لیے
مخصوص فرمایا ہے اس کے لیے پانچ الفاظ کا تذکرہ کیا ہے (۱) احتراق (۲) ترمد
(۳) لین (۴) دوبان (۵) الطباع۔ یہ پانچوں الفاظ فن کیمیا کی اصطلاحات ہیں
اور اہل علم جانتے ہیں کہ کسی فن کی اصطلاح وضع کرنا، سب کے بس کی بات نہیں ہے
اور نہ یہ صرف فن کے ماہرین کا کام ہے بلکہ فن کی اصطلاح وہی شخص وضع کر سکتا ہے
جو اس فن میں مقام موجد و مجتہد پر فائز ہو اور ایجاد و اجتہاد کے اوصاف سے متصف
ہونا یہ خداوند کریم کی کریمانہ نوازشوں کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ اعلیٰ حضرت کا علمی
کمال ہے کہ فن میں کمال درک رکھنے والے اصحاب کو بھی معلومات جدیدہ کا
وافر ذخیرہ فراہم کر کے درطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور فن میں اصطلاح کی ایجاد
کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب مفہوم مراد و مطلوب پردہ خفا میں ہو۔ افہام
وتفہیم کی تعبیر میں دشواری ہو، موجودہ قواعد وضوابط بھی اپنے معانی اصلیہ کے اظہار
واعلان سے قاصر ہوں۔ جب جب آپ ایسی منزل سے گذرے ہیں بحر علوم وفنون
میں وہ جوش اٹھا ہے کہ نوادرات کے لولوئے لالہ سے فن کا دامن لبریز ہو گیا
ہے۔ چنانچہ اسی فن ہی میں دیکھئے وضع اصطلاحات کے بعد پھر ان الفاظ خمسہ کے
معنی اور ان کی باہمی نسبتوں کا ذکر اس انداز سے فرمایا ہے کہ ماننا پڑتا ہے کہ علم کیمیا
میں بھی امام احمد رضا کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ اسی بحث میں آپ دیکھیں گے کہ آگ کا
مادے پر کیا اثر ہے اور مادے کا آگ سے کیا تعلق ہے، گندھک کا پارے سے کیا
رشتہ ہے اور اس میں کون نر ہے اور کون مادہ۔ یہ وہ بحثیں ہیں جو حیران کر دیتی ہیں مگر
یہ اعلیٰ حضرت ہیں جو حیرت کو بھی حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ ایم حسن امام مظفر

پوری نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔

''میرے خیال میں آگ اور آگ کا مادے پر اثر سے متعلق جتنی باتیں آپ یہاں اس باب میں یکجا پائیں گے اسے آپ اگر نایاب نہ کہیں تو کہیں کمیاب ضرور کہیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے اور اس قسم کے نسخۂ کیمیا کو بنیاد بنا کر ریسرچ کیا جائے تو موجودہ علم کیمیا فقط ماضی کی یاد بن کر رہ جائے گا۔ ایک انوکھی چیز جو اس باب میں دیکھنے کو ملی ہے، وہ یہ کہ کان کی ہر جگہ گندھک اور پارے کے نکاح کی اولاد ہے، گندھک نر ہے اور پارہ مادہ، یہ چیز علم کیمیا کے محقق کے لیے دعوت فکر ہے۔''؎

ایک ایسا عالم جن کے سامنے پوری دنیا سے آئے ہوئے سوالات کا ہجوم ہو جو صبح سے شام اور شام سے صبح تک جزئیات، فقہیات اور منبع دینیات قرآنیات وحدیثیات کی بل کھاتی لہراتی آبشاری موجوں سے گزر رہا ہو، اسے علم کیمیا پر اتنا زبردست ملکہ ودسترس ہو، اس بات کا عین الیقین ہو جاتا ہے کہ قرآن وحدیث کے سمندر میں سب کچھ ہے مگر اس سے لینے اور پانے کے لیے احمد رضا سا دماغ اور دل چاہیے۔

(۵) علم تقویم

امام احمد رضا کے علمی رسوخ، فنی صلابت، فکری مہارت اور خداداد لیاقت کا عالم یہ ہے کہ وہ منٹ سکنڈ کو بھی اپنی گرفت میں رکھتے ہیں اور ہر ایک کا محاکمہ کرتے ہیں، اس سوال کے جواب میں کہ ماہ رمضان شریف کبھی موسم گرما اور کبھی موسم سرما وغیرہ میں کیوں آتا ہے۔ آپ نے برصغیر میں رائج تینوں کلنڈروں پر دلچسپ محققانہ تبصرہ فرمایا ہے، جو تقویم کے موضوع پر آپ کے قلم کا شاہ کار ہے۔ عربی کلنڈروں کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

''موسموں کی تبدیلی خالق عزوجل نے گردش آفتاب پر رکھی ہے، یہ

آفتاب کا ایک دور ہے کہ تقریباً ۶۵ دن اور پونے چھ گھنٹے میں پاؤ دن کے قریب ہوا، پورا ہوتا ہے اور عربی شرعی مہینے قمری ہیں ہلال سے شروع اور ۳۰ یا ۲۹ میں ختم، بارہ مہینے قمری سال ۳۵۴ یا ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے تو شمسی سال سے دس گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کے قمری اور شمسی سال میں ایک دن کا فرق فرض کر کے، سائل کو رمضان شریف کی موسموں میں گردش سمجھاتے ہیں۔ پھر بکری کلنڈروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

''بعینہ یہی حال ہندی مہینوں کا ہوتا ہے اگر وہ لوند نہ لیتے۔ انہوں نے سال رکھا شمسی اور مہینے لیے قمری، لہٰذا وہ ہر تین سال پر ایک مہینہ مکرر لیتے ہیں، تاکہ شمسی سال سے مطابقت رہے۔ ورنہ جیٹھ کبھی جاڑوں میں آتا اور پوس گرمیوں میں، پھر عیسوی کلنڈروں پر تبصرہ فرماتے ہیں'' بلکہ نصاریٰ جنہوں نے سال وماہ سب شمسی لیے یہ چوتھے سال ایک دن بڑھا کر فروری ۲۹ کا نہ کرتے تو ان کو بھی یہی صورت پیش آتی کہ کبھی جون کا مہینہ جاڑے میں ہوتا اور دسمبر گرمیوں میں، پھر وجہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ''یوں کہ سال ۳۶۵ دن کا تھا اور حقیقت میں ہوتا ہے ۳۶۵ اور تقریباً پونے چھ گھنٹے کا، لہٰذا آفتاب کا دورہ ابھی چند گھنٹے بعد کو پورا ہوگا کہ جس کی مقدار تقریباً چھ گھنٹے ہیں۔ تو پہلے سال شمسی، سال دورہ یافتہ سے تقریباً چار گھنٹے پہلے ختم ہوا، دوسرے سال تقریباً ۱۲ گھنٹے پہلے تیسرے سال تقریباً ۱۸ گھنٹے پہلے، چوتھے سال تقریباً ۲۴ گھنٹے پہلے اور ۲۴ گھنٹے کا ایک دن، رات ہوتا ہے، لہٰذا ہر چوتھے سال ایک دن بڑھا دیا کہ دورۂ آفتاب سے مطابقت رہے لیکن دورۂ اُفتاب پورے چھ گھنٹے زاید نہ تھا بلکہ تقریباً پونے چھ گھنٹے تو چوتھے سال پورے ۲۴ گھنٹے کا فرق نہ پڑا تھا بلکہ تقریباً ۲۳ گھنٹے

کا،اور بڑھالیا ایک دن کہ ۲۴ گھنٹہ ہے،تو یوں ہر چار سال میں شمسی سال دورۂ آفتاب سے کچھ کم ایک گھنٹہ بڑھے گا،سو برس بعد تقریباً ایک دن،لہٰذا صدی پر ایک دن گھٹا کر، پھر فروری ۲۸ دن کا کرلیا۔'' ۸

یہ تقویم میں امام احمد رضا کی مہارت کا روشن علمی مینار ہے،اس فتویٰ کو دیکھ کر تو یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ کوئی مولانا صاحب کا قلم نہیں ہے بلکہ بین الاقوامی ماہر افلاک و نجوم کا قلم ہے جو تقویم کے آسمان سے گھنٹہ،سکنڈ اور منٹ کی تجلی سے ارض و سما کو سیراب کررہا ہے۔

(۶) علم تکسیر

علم تکسیر میں اعلیٰ حضرت کی مہارت کا عالم کیا تھا،آپ ہی کے شاگرد و خلیفہ ملک العلماء حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی زبانی سنیے۔

''عرصہ کی بات ہے کہ ایک شاہ صاحب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ (پٹنہ) تشریف لائے اور محب محترم حامئ دین واقف علوم عقلیہ ونقلیہ، مولانا مولوی مقبول احمد خاں صاحب دربھنگوی مدرس مدرسہ کے مہمان ہوئے۔اور اپنی عزت بنانے، وقار جمانے کو ادھر ادھر کی بات کرتے ہوئے فن تکسیر کی واقفیت کا ذکر کیا۔خوش گمانی میں وہ یہ سمجھنے لگے کہ یہ حضرات میری فن دانی کے قائل و معتقد ہوگئے ہیں۔ چنانچہ مہینہ دو مہینہ میں ایک دو پھیرا ادھر کا ہونے لگا،مولانا کے یہاں ایک دو وقت قیام ضرور کرتے یہ بھی مہمان نوازی فرماتے، جب ان کی ڈینگ بہت بڑھی تو ایک دن بہت ہولی زبان سے فرمایا کہ میرے مدرسہ میں بھی ایک مدرس مولانا ظفر الدین صاحب ہیں،وہ بھی فن تکسیر جانتے ہیں۔ بہت حیرت ہوئی وہ تو سمجھ رہے تھے کہ مولانا مقبول احمد خاں صاحب کے علم

میں دنیا میں میں ہی تکسیر جاننے والا ہوں، اسی وجہ سے میری عزت کرتے ہیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ مولانا ظفر الدین بھی ہیں جو اس فن سے بخوبی واقف ہیں تو ان کی حیرت کی حد نہ رہی، بولے کہ ان سے میری ملاقات کرادیجئے گا۔ مولانا نے کہا وہ تو روزانہ مدرسہ کے وقت تشریف لاتے ہیں اور چار بجے دریاپور واپس چلے جاتے ہیں۔''

چنانچہ ایک دن مولوی صاحب موصوف شاہ صاحب کو لیے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور ان کا تعارف بڑے خاص انداز میں کرایا،فرمایا آپ فن تکسیر بھی جانتے ہیں، میں سمجھ گیا، میں نے کہا اس سے بڑھ کر اور کیا کمال ہوگا کہ آپ وہ فن جانتے ہیں، جس کے جاننے والے روئے زمین سے معدوم و مفقود نہیں تو قلیل الوجود ضرور ہیں۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جناب کو بھی فن تکسیر کا علم ہے؟ میں نے کہا یہ مخلصوں کا محض حسن ظن ہے۔ کسی فن کے چند قواعد کا جان لینا،فن کی واقفیت نہیں کہلائے گی۔ ہاں اس فن سے یک گونہ دلچسپی ضروری ہے۔ اس کے بعد میں نے ان شاہ صاحب سے پوچھا! جناب مربع کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؟ بہت فخریہ فرمایا سولہ طریقے سے، میں نے کہا بس، اس پر فرمایا! اور آپ؟ میں نے کہا گیارہ سو ۵۲ طریقے سے بولے سچ؟ میں نے کہا جھوٹ کہنا ہوتا تو کیا لاکھ دو لاکھ کا عدد مجھے معلوم نہ تھا، گیارہ سو باون ۱۱۵۲ کی کیا خصوصیت تھی؟ کہا میرے سامنے بھر سکتے ہیں؟ میں نے کہا ضرور؟ بلکہ میں نے بھر کر رکھ دیا ہے۔ آج چار بجے میرے ساتھ دریاپور چلیں۔ مولانا مقبول احمد خاں صاحب کو بھی میں دعوت دیتا ہوں وہیں ناشتہ چائے چلے، وہ کتاب میں حاضر میں حاضر کروں گا۔ ایک ہی نقشہ ہے جو اتنے طریقے سے بھرا ہوا ہے۔ پوچھا کن

سے سیکھا؟ میں نے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کا نام لیا حضرت کے معتقد
تھے۔ نام سن کر ان کو یقین ہو گیا، مگر پوچھا، اور اعلیٰ حضرت کتنے طریقوں
سے بھرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ تیئیس سو طریقے سے، کہا آپ نے اور
کیوں نہیں سیکھا؟ میں نے کہا وہ تو علم کا دریا نہیں سمندر ہیں، جس فن کا ذکر
آتا ایسی گفتگو فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ عمر بھر اسی کو سیکھا اور اسی کی کتب بینی
فرمائی ہے۔ ان کے علوم کو میں کہاں تک حاصل کر سکتا ہوں، آخر چار بجے
وہ میرے ساتھ دریا پور تشریف لائے اور وہ کاغذ جس پر میں نے وہ نقوش
لکھے تھے، ملاحظہ فرمایا۔ بہت تعجب سے دیکھتے رہے۔ اور اعلیٰ حضرت کی
زیارت کے مشتاق ہو کر بعد مغرب واپس ہوئے۔ بہر کیف جملہ علوم
وفنون کی طرح فن تکسیر سے اعلیٰ حضرت کو نہ صرف واقفیت ہی تھی بلکہ اس
فن میں کمال اور مہارت رکھتے تھے۔ بلکہ اگر مجتہد کہا جائے تو مبالغہ نہ
ہوگا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، جدید، جلد اول، ۲۸۴) ۹

(۷) حرکت زمین

سائنس کے موضوعات میں نظریہ حرکت زمین بڑا نازک اور اہم موضوع کل
بھی تھا اور آج بھی ہے۔ زمین متحرک ہے یا ساکن سائنس داں ہمیشہ سے اس میں
متردد رہے ہیں۔ تاہم غالب اکثریت یہ ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے اور اسی
نظریے کا آج ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے اور لوگ کالج، یونیورسیٹی میں بڑے ذوق
وشوق سے اس نظریہ کو لیے پھر رہے رہے ہیں۔ اما احمد رضا کا یہ علمی کمال ہے کہ
خالص مذہبی شخصیت ہونے کے باوجود آپ نے علم سائنس کے علمبرداروں کو
میدان سائنس میں چیلنج کیا اور دلائل کی بجلی سے ان کے مفروضات کے نشیمن کو خس
وخاشاک کی طرح اڑا دیا۔ ہر وہ نظریہ جو اسلامی نظریہ سے مزاحم ہوا آپ اس کی بیخ

کنی میں جٹ گئے۔ اس وقت تک آپ کو چین نہیں آیا جب تک کہ اس کے تابوت
میں آخری کیل ٹھوک کر مبہوت نہ کر دیا۔ بہت سے وہ نظریے جو اسلامی نظریہ کے
مقابل ہوئے ان میں نظریہ حرکت زمین بھی ہے۔ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ زمین ساکن
ہے، سائنسی نظریہ یہ ہے کہ زمین گردش میں ہے۔ امام احمد رضا کے عہد میں پروفیسر
آئن اسٹائن نے ایک تجربہ کیا جس سے اس نظریہ کا رد ہوتا تھا لیکن پھر انہوں نے
ایسی توجیہہ کی جس سے یہ ثابت ہو گیا مگر بقول سید محمد تقی ''یہ سائنس کی تاریخ کی
سب سے زیادہ غیر عقلی توجیہہ تھی'' امام احمد رضا آئن اسٹائن کے ہم عصر ہیں، انہوں
نے آئن اسٹائن اور دیگر سائنس دانوں کے افکار وخیالات کی گرفت کی اور ایک سو
پانچ دلائل سے نظریہ حرکت زمین کو باطل قرار دیا۔ جدید سائنس کی تکنیکی اور اصولی
غلطیوں کی نشان دہی فرمایا، خود فرماتے ہیں:

> ''بعونہ تعالیٰ فقیر نے فلسفہ جدیدہ میں ایک مبسوط کتاب فوز مبین در رد
> حرکت زمین (۱۳۳۸/۱۹۱۹ء) لکھی جس میں ایک سو پانچ دلائل سے
> حرکت زمین باطل کی اور جاذبیت ونافریت وغیرہما مزعومات فلسفہ
> جدیدہ پر وہ روشن رد کیے جن کے مطالعے سے ہر ذی انصاف پر بحمدہ
> تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے کہ فلسفہ جدیدہ کو اصلا عقل سے
> مس نہیں۔'' ۱۰

فوز مبین در رد حرکت زمین میں ایک مقدمہ، چار فصل اور خاتمہ ہے مقدمہ میں
مقررات ہیات جدیدہ کا بیان ہے فصل اول میں نافریت سے بحث کی گئی ہے اور
زمین کی حرکت کو ۱۲ دلیلوں سے باطل فرمایا ہے، فصل دوم میں جاذبیت سے بحث
کر کے حرکت زمین کو پچاس دلیلوں سے باطل فرمایا ہے، فصل سوم میں حرکت زمین
کے بطلان پر ۴۳ دلیل پیش فرمایا ہے اور فصل چہارم میں زمین کی حرکت پر ہیات
جدیدہ کے پیش کردہ شبہات کا رد فرما کر کتاب کی تکمیل فرمائی۔ کتاب کیا ہے علوم

جدیدہ کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے فکر ونظر کا بحر مواج ہے جو اچھل اچھل کر عظمت
اسلام کا خطبہ پڑھ رہا ہے۔ان ایک سو پانچ دلیلوں میں ۹۰ نوے دلیلیں امام احمد
رضا کی طبع زاد ہیں جس وقت آپ نے یہ نظریہ پیش کیا تھا اس وقت دیکھنے والوں
نے چاہے جس انداز سے دیکھا ہو مگر اب تو عالم یہ ہے کہ سو سے زائد آئین اسٹائن
اور نیوٹن کے ناقدین پیدا ہو چکے ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں صوبہ کرناٹک کے ضلع رائچور
میں ہندوستانی سائنسدانوں کی دوروزہ کانفرنس ہوئی جس میں بعض سائنس دانوں
نے اپنے ۱۳ سالہ تجربے ومشاہدے کی بنا پر نیوٹن کے نظریہ کشش نقل کو رد کیا اور
دوسرے سائنسدانوں کو دعوت غور وفکر دی مولوی اخلاق حسین قاسمی لکھتے ہیں:

”پہلے زمانے کے لوگ یہ یقین رکھتے تھے کہ سورج زمین کے گرد چکر لگا رہا
ہے بعد میں یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ سورج اپنی جگہ قائم ہے پھر یہ نظریہ بھی
مستقل ثابت نہ ہوا اور اب موجودہ زمانے کے ماہرین فلکیات کہتے ہیں
سورج اپنے پورے نظام شمسی کو لیے ہوئے ۲۰ کلومیٹر تقریباً ۱۲ میل فی
سیکنڈ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے۔“[۱۱]

کن کن میدان میں امام احمد رضا نے اولیت کا جھنڈا گاڑا ہے، رضویات کے
سمندر میں جب متلاشی غوطہ زن ہوتا ہے تو اسرار آشکار ہوتے ہیں۔اقتباس بالا امام
احمد رضا کے نظریہ سکون زمین کی منہ بولتی تائید ہے۔ایک بار پھر اس خیال کو تازہ
کر لیا جائے کہ امام احمد رضا نے اپنی سائنسی مہارت کا استعمال اسلام کی حقانیت
کے لیے کیا ہے۔آپ ان سائنس دانوں میں سے نہیں ہیں جو اسلام کو سائنس کے
لیے استعمال کرتے ہیں، بلکہ آپ وہ عظیم اور منفرد سائنسداں ہیں جنہوں نے جب
جب ضرورت پڑی سائنس کو اسلام کے لیے استعمال کیا۔آپ کی بعض تحریر سے
آپ کی قوت وقدرت تو ایسی حاوی نظر آتی ہے کہ لگتا ہے کہ آپ سائنس ہی کو
مسلمان کر دینے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ چنانچہ پروفیسر مولانا حاکم علی کو لکھتے ہیں۔

”محب فقیر سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات
ونصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے
یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام؟ وہ
مسلمان ہوگی تو یوں ہوگی جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے،
اس میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔دلائل سائنس کو مردود و پائمال
کر دیا جائے، جا بجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات
ہو، سائنس کا ابطال واسکات ہو یوں قابو میں آئے گی۔“[۱۲]

وہ تو کہئے کہ اپنے اس فرمان کے اعلان کے بعد امام احمد رضا زیادہ دنوں تک
بقید حیات نہ رہ سکے ورنہ سائنس کو مسلمان کرنے کے جو طریقے آپ نے بتائے
ہیں ان طریقوں پر عمل پیرا ہو کے وہ علمی مینار تیار کرتے کہ اسے دیکھنے والوں کے
سروں سے ٹوپیاں گر پڑتیں اور وہ رموز ونکات ظاہر کرتے کہ سائنس بھی کہتی کاش
میں فقہ کے خاندان میں پیدا ہوئی ہوتی۔سائنس کو مسلمان کرنے کا کتنا بڑا دعویٰ ہے
جو امام احمد رضا کر رہے ہیں، یاد رکھئے وہ صرف دعویٰ کرنے والے عالم دین نہ تھے، وہ
بہت سارے لوگ سائنسی علوم، عروج، ایجادات اور اختراعات کا خطبہ پڑھ رہے ہیں
، ترقیات دیکھ کر متحیر ہوتے اور اور گن گاتے ہیں۔کچھ تو سائنس کی دہلیز پر دینی فکری
نثار کر دیتے ہیں۔کاش امام احمد رضا کی حیات کو کچھ اور ایام مل گئے ہوتے، پھر زمانہ
دیکھتا کہ غرور سائنس کس طرح امام احمد رضا کی قدم بوسی کر رہا ہے۔مگر افسوس ان کی عمر
نے وفا نہ کی۔

یہ سرزمین ہند کا فخر ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں اس نے ایک ایسے دیدہ
ورنا قد و بصیر کو جنم دیا جس نے علوم اسلامیہ کے گلشن کو تو بہاروں سے آباد کیا ہی، علوم
عقلیہ وجدیدہ کے دامن کو بھی، رنگا رنگ خزانوں سے چکا چوند کر دیا۔کسب کے
ذریعہ اتنے اور ایسے علوم پر عبور حاصل کر لینا عام ذہن کا کام تو ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ

انتہائی ذہن رسا کے بھی بس سے باہر کی بات ہے۔اس لیے اس تبحر کا وہبی اور فراست ایمانی کے سوا اور کیا نام دیا جاسکتا ہے،آپ کو حیرت ہوگی کہ ان کے حریف بھی ان کے خرمن علم سے چپکے چپکے خوشہ چینی کیا کرتے تھے۔ان کی کتابوں میں اعلیٰ حضرت کی چھپی تحریر پکار رہی ہے کہ میں رضوی تنویر ہوں،مثلاً۔

(۱)اس شخصیت کی عبقریت کا کیا کہنا،مولانا ابوالکلام آزاد جیسے قادر الکلام شخص نے جس کے الفاظ اپنے تقابلی مطالعے کے ایک مضمون کی تمہید میں بطور مستعار لئے ہوں۔(۱۳)

(۲)اس شخصیت کی مرکزیت کا کیا پوچھنا،رشید احمد گنگوہی جیسے اپنے مکتبۂ فکر میں فقیہ النفس شخص نے جس کے فتاویٰ سے کئی مسئلوں کو اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہو۔۱۴

حوالے

امام احمد رضا اور علوم جدیدہ

نمبر	کتاب	مصنف	صفحہ
۱	قاری دہلی کا امام احمد رضا نمبر		۴۸۳
۲	پیغام رضا ممبئی کا امام احمد رضا نمبر		۲۵۱
۳	فتاویٰ رضویہ جلد چہارم	(امام احمد رضا)	۶۲۱
۴	فقیہ اسلام،ڈاکٹر حسن رضا خاں	(ڈاکٹر حسن رضا خاں)	۳۱۸
۵	پیغام رضا ممبئی کا امام احمد رضا نمبر		۲۴۰
۶	حیات اعلیٰ حضرت	(ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین)	۱۵۱
۷	قاری کا دہلی امام احمد رضا نمبر		۲۹۵
۸	فتاویٰ رضویہ چہارم	(امام احمد رضا)	۵۱۸،۵۱۹
۹	الکلمة الملهمه	(امام احمد رضا)	۵
۱۰	حیات اعلیٰ حضرت جدید	(ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین)	۲۸۴
۱۱	عالم اسلام کے عظیم مفکر	(مجلۂ ہبلی کانفرنس)	۴۲۴
۱۲	نزول آیات فرقان	(امام احمد رضا)	۲۴
۱۳	پیغام رضا کا امام احمد رضا نمبر	(ممبئی)	۲۴۳
۱۴	معارف رضا،کراچی	(۱۹۱۹ء)	۲۶۱

●●●

محقق بریلوی اور جدید اصولِ تحقیق

تاریخی ادوار میں چودھویں صدی ہجری نقش کالحجر کی طرح انمٹ ہے اور انمٹ رہے گی، اس کے افق سے عالم اسلام کی ایک ایسی عبقری شخصیت نے طلوع فرمایا۔ پوری دنیا جس کے علمی وفکری تحقیقی وتدقیقی شعاع نور میں ڈوب گئی۔ جہاں جہاں اس کی تحقیق کا اجالا پھیلا شک وتردد کی تاریکیوں میں صبح انقلاب کی دھمک محسوس کی گئی۔ چوں کہ امام احمد رضا محقق بریلوی مبدأ فیاض کی خصوصی فیض بخشیوں کے شاہکار اور نگاہ رحمت کا حسین انتخاب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات نادر دہر، نازش عصر، نابغہ روزگار اور مجمع باغ وبہار تھی۔ اب جوں جوں چہرۂ لیل ونہار پر پڑی غفلت کی دبیز چادر کے گرد صداقت وحقانیت کا اجالا پھیل رہا ہے، رخ روشن کی تابانی سے فضا بقعۂ نور ہوتی چلی جارہی ہے۔ قدرت نے آپ کو ایسا دراک دل اور مواج دماغ بخشا تھا کہ ہمیشہ فکر وتخیل، تحقیق وتدقیق اور شعور وآگہی کے گل بوٹے آپ کے قلم حقیقت رقم سے دامن قرطاس پر بکھرتے ہی رہتے، علوم عقلیہ ونقلیہ کا وہ کون سا شعبہ ہے جسے آپ نے اپنے افکار عالیہ سے مالا مال، اور افکار نافعہ سے خوش حال ونہال نہ کیا ہو۔ یوں تو علم وفن کا ہر گوشہ آپ کا ممنون کرم ہے تاہم لسانی خدمات کی بنیاد پر اگر جائزہ لیا جائے تو بھی اپنے معاصرین سے بہت آگے نظر آتے ہیں ہمیں آپ کی معاصر شخصیتوں میں کوئی شخصیت ایسی نظر نہیں آتی جس نے بیک وقت عربی وفارسی واردو میں آپ کی مماثل خدمات انجام دی ہوں۔ اور آپ کی طرح سینکڑوں عدیم النظیر تصانیف چھوڑی ہوں۔ اس خصوص میں آپ تنہا، منفرد اور بے مثال ہیں۔ عربی ادب پر دستگاہ کا یہ عالم کہ علمائے عجم کوئی جانے منہ میں زبان نہیں اور علمائے عرب نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں پکارتے اور دادِ

فکر وتحقیق دیتے نظر آتے ہیں۔ فارسی اور اردو کا یہ حال کہ ارباب علم ودانش نے آپ کی زبان کو کوثر وتسنیم میں دھلی زبان قرار دیا اور معنویت دیکھ کر محو حیرت رہ گئے۔ عربی فارسی پر عموماً اور اردو پر خصوصاً آپ کے وہ احسانات ہیں کہ زبان اردو کبھی بھول نہیں سکتی اس کے ذخیرہ ادب کو ایسے ایسے علمی وتحقیقی نوادرات کے لعل وگوہر سے مملو ومزین کر دیا ہے کہ اب یہ زبان دنیا کے کسی بھی عظیم ادب سے آنکھیں ملانے کا حوصلہ رکھتی ہے آپ کی تقریباً ایک ہزار تصنیفات وتالیفات کا غالب حصہ اسی زبان میں ہے، اس لیے میں یہ کہنے میں مسرت محسوس کرتا ہوں کہ آپ نے صدیوں کے تحفظ کا حصار کھینچ دیا ہے۔ نتیجے میں ادب کے قلعے میں زبان محفوظ ہوگئی ہے۔ آج میر غالب اقبال وغیرہ شعراء کے ذکر وتذکرہ سے کالج ویونیوسٹی کے درودیوار گونج رہے ہیں مگر محقق بریلوی نے شعر وسخن کے جو گلستان سجائے ہیں اس کی سچی نکہت ریزی کے آگے تمام خوشبوئیں پھیکی ہیں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ایم اے پی ایچ ڈی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اپنے دور کے بے مثال علما میں شمار ہوتے ہیں ان کے فضل وکمال ذہانت وفطانت طباعی ودراکی کے سامنے بڑے بڑے علما فضلاء یونیورسٹی کے اساتذہ محققین اور مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے، مختصر یہ ہے کہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا اور وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے، شعر وادب میں بھی ان کی عظمت کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔''[۱]

''حافظ نظیر لدھیانوی لکھتے ہیں جہاں تک میں سمجھتا ہوں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ کو امام نعت گویاں کہنا بالکل بجا اور درست ہے۔ اردو ادب میں ان کے پایہ کا نعت گو کوئی نہیں۔''[۲]

اردو ایک نئی اور ارتقاء پذیر زبان ہے آئے دن دجلہ مشرق سے نکلتی صبح اس کی

پیشانی کا افشاں اور آغوش مغرب میں جھولتی ڈوبتی شام اس کی آنکھوں کا کاجل بنتی
رہی اور بنتی ہی رہتی ہے۔اب سے سو برس پہلی کی اس کی تصویر اگر دیکھئے تو یہ نہ حسن
ہے اور نہ یہ بانکپن نہ یہ جاذبیت ہے اور نہ یہ دل فریبی اردو یک اکھڑی اکھڑی
کھردری اور غیر مانوس زبان معلوم ہوتی ہے نہ زبان فہمی وزباندانی کا کوئی خاص
قاعدہ ہے اور نہ لسانی مسائل ووسائل کا ٹھوس ضابطہ واصول غالباً یہی وجہ ہے کہ
۱۹۴۷ء سے پہلے اردو محققین کی تعداد بہت مختصر اور تحقیقات ناقص نظر آتی ہیں ڈاکٹر
قمر رئیس لکھتے ہیں ہماری تحقیقی سرمائے کی عمر ابھی سو سال بھی نہیں ہے اس کی
کوتاہیاں اور کم رسائیاں بھی ہم پر روشن ہیں۔ ۳؎

مگر حیرت ہوتی ہے کہ اب سے سو برس پہلے جب کہ اردو کا دامن لسانی مسائل
اور تحقیقی جواہر پاروں کے لیے دریوزہ گر تھے محقق بریلوی نہ صرف یہ کہ اپنی کتابوں
میں تحقیق کا اعلیٰ وارفع معیار پیش کرتے ہیں بلکہ جو اصول وضع فرماتے ہیں وہ دور
جدید کے محققین کی نگاہوں کے لیے سرمۂ بصیرت ہیں افسوس کہ ان نوادرات تحقیق
اور جواہرات تنقید کی طرف توجہ نہیں دی گئی ورنہ لسانی مسائل میں جن عناصر کی تشنگی کا
احساس فاضل ڈاکٹر موصوف کو ہے وہ شاید نہ ہوتا حقائق ناآشنائی یا حقائق سے چشم
پوشی کی اس سے قبیح مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ جن کا نام محققین وناقدین کی فہرست
میں اولین آنا چاہیے تھا ان کے نام سے یہ فہرست خالی ہے اور جس کا نام بعد میں یا
آنا ہی نہیں تھا ان کا نام زینت فہرست ہے حالانکہ تمام محققین کی تحقیق کو محقق بریلوی
کی تحقیق سے وہی نسبت ہے جو ذرے کو آفتاب اور قطرے کو سمندر سے ہے ڈاکٹر
قمر رئیس طراز ہیں۔اردو میں کوئی ایسا ادبی نقاد پیدا نہ ہوسکا جسے ہم فخر واعتماد سے
مغرب کے ممتاز ناقدین کی صف میں کھڑا کرسکیں لیکن ایسے مستند عالم اور محقق ضرور
ہیں جن کا موازنہ وثوق کے ساتھ دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے محققوں سے کیا
جاسکتا ہے۔ ۴؎

ہم پورے فخر واعتماد کے ساتھ یہ کہہ رہے ہیں کہ فخر واعتماد کے ساتھ جس مستند
عالم اور محقق کو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے محققوں کی بزم میں پیش کیا جاسکتا ہے کم از
کم انیسویں اور بیسویں صدی میں تو اس افتخار کا سہرا محقق بریلوی کی فرق اقدس پر سجتا
ہے ڈاکٹر قمر رئیس نے اگر تصانیف رضا کا سنجیدہ مطالعہ کیا ہوتا تو ان کی تحریر سے
قنوطیت ویاسیتکی بو نہیں آتی۔مطالعہ اگر تشنہ ہو تو یہی سب مسائل قلم سے ٹپکتے ہیں
انصاف دنیا سے اگر رخصت نہیں ہوگیا ہے تو مطالبہ انصاف یہ ہے کہ ہر اعتبار سے
امام احمد رضا ہی اس تمغہ کے حقدار ہیں اس لیے کہ بقیہ جتنے بھی ہیں دو چار یا مبالغہ
سے کام لیا جائے تو دس بیس سے زیادہ علوم فنون کے ماہر نہیں نظر آئے اور اس پر ان
کی تصنیفات اور مضامین ومقالات گواہ ہیں مگر محقق بریلوی بقول ان کے ۵۹ علوم
وفنون میں مہارت رکھتے ہیں بلکہ جدید تحقیق کے مطابق ۳۰۵ علوم وفنون کے ماہر
ہیں۔ ۵؎ اور اس پر آپ کی تصنیفات ومضامین ومقالات شاہد عدل ہیں۔

مولانا عبدالکریم نعیمی بنگلہ دیش لکھتے ہیں صرف فتاویٰ رضویہ ہی کو لیجئے اس میں
آپ نے ہزاروں مسائل پر بے لاگ تحقیق وتدقیق فرمائی ہے آپ کی تصانیف کا
مطالعہ کرنے والوں کو پہلا احساس یہ ہوتا ہے کہ آپ قلم کے بادشاہ ہیں۔پورے چون
۵۴ برس مسند افتا پر متمکن رہے اور اس عرصے میں اتنا لکھا کہ علامہ حسنین رضا خاں
صاحب نے جب حساب لگایا تو فی دن چھپن صفحات کتابت وتحریر کے نکلے۔ ۶؎

پوری انیسویں اور بیسویں صدی چھان ڈالیے، نہ کوئی ایسا کثیر التصانیف مستند
عالم نظر آتا ہے نہ اتنے علوم وفنون پر کامل عبور رکھے والا فاضل اور نہ ہی ایسی ندرت
تحقیق کا حامل محقق۔آپ کی اس خوبی کا اعتراف اپنے اور بیگانے ہر منصف مزاج
کو ہے۔آپ کی کتاب کا منصف قاری اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ
سکتا۔چنانچہ مولانا ابوالحسن ندوی اپنے طویل مضمون میں یوں اعتراف کرتے ہیں۔

"فاضل بریلوی نے علمائے حجاز سے بعض فقہی وکلامی مسائل میں مذاکرہ

وتبادلہ خیالات کیا، حرمین کے اثنائے قیام میں انہوں نے بعض رسائل لکھے اور علمائے حرمین کے پاس آئے ہوئے سوالات کے جوابات دیے۔ وہ حضرات آپ کے وفور علم وفقہی متون اور اختلافی مسائل پر دقت نظر وسعت معلومات سرعت تحریر اور ذکاوت طبع سے حیران رہ گئے۔''۷

حق کو چھپایا نہیں جاسکتا، صداقت کی پردہ پوشی نہیں ہوسکتی، یہ ایک ایسی خوشبو ہے جو قید وبند کی مشقت سے آزاد وبے پرواہ ہے۔ ایسی بہت ساری مثالیں موجود ہیں کہ آپ کی تحقیقات نے خیالات ونظریات کی دنیا میں انقلاب برپا کردیے۔ نئی ہلچل مچ گئی اور طبیعت کچھ کھونے کچھ پانے پر مجبور ہوگئی۔ حکیم الامت صاحب تصانیف کثیرہ ومفسر قرآن مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت کے ایک رسالہ ''عطایا القدر فی حکم التصویر'' کا جب مطالعہ کیا تو اتنے متحیر ہوئے کہ اپنا تاثر ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: چوں کہ میری طالب علمی دیوبندی مکتب فکر کے اساتذہ سے متاثر تھی، اس لیے میرے ذہن میں یہی بات بیٹھی ہوئی تھی کہ علمی تحقیق صرف علمائے دیوبند کی تالیفات میں ملتی ہے جب میں نے مذکورہ رسالہ کا مطالعہ کیا تو اس کے لکھنے والے کے تبحر علمی اور دقت نظری کے کمال کا گرویدہ ہوگیا۔ سچ یہ ہے کہ اس رسالے نے میری ذہنی اور اعتقادی دنیا میں انقلاب برپا کردیا۔۸

حقیقت یہ ہے کہ محقق بریلوی کی تصنیفات کا بنظر انصاف مطالعہ نہیں کیا گیا۔ مسلکی اور اعتقادی تعصب مانع رہی اور اس طرح لوگ اپنے ہی کثیر دینی دولت کی زیارت سے محروم رہے اور عظیم معقولی ومنقولی محقق سے ناآشنا مولانا یٰسین اختر مصباحی آپ کی محققانہ بصیرت پر طویل بحث کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا فاضل بریلوی کے عدیم النظیر تحقیقات وتدقیقات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو بلاشبہ ہر انصاف پسند آپ کی عبقریت کا قائل ہوجائے گا اور کھلے

دل سے آپ کو ایشیا کا عظیم محقق قرار دے گا۔''۹

درحقیقت اس مضمون کی تحریک کا سبب محقق بریلوی کے وہ اصولیات تحقیق ہیں جو آپ کی تصنیف ''حجب العوار'' عن مخدوم بہار کے صفحات پر آسمان پر تاروں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔ غالباً جس کی اولین رونمائی اور تعارف کا سہرا ماہر رضویات حضرت پروفیسر مسعود احمد مظہری کے سر ہے جس کا تفصیلی تذکرہ آپ نے اپنے وقیع مقالہ امام اہل سنت میں کیا ہے۔ تحقیق کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناطے جب ان نوادر پر میری نظر پڑی تو حیران رہ گیا اور بار بار جدید محققین کے آراء سے موازنہ کرنے لگا۔ ذیل میں ہم نے ایسے ہی بکھرے حقائق کا تقابل اور استخراج نتائج پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جدید تحقیق میں جو چیز اساسی حیثیت کی حامل ہے وہ ہے (۱) تحقیق متن اور (۲) تصحیح متن، اپنی فکری جولانی اور جواد طبعی سے کتابوں کے ڈھیر لگا دینا اور باتوں باتوں میں مضامین کے گلستان سجا دینا اور بات ہے اور تحقیق وتصحیح متن کی پابندی اور رعایت کے ساتھ کچھ کہنا اور لکھنا کار دیگر۔ محقق بریلوی کا کمال تحقیق یہ ہے کہ آپ نے معیار تحقیق کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور اس انداز میں آپ نے اصولوں کو برتا کہ آج آپ کی تحقیقات خود ہی معیار تحقیق کا درجہ رکھتی ہے۔ باوجودیکہ آپ سیکڑوں کتابوں کے مصنف ہیں مگر ایک بات مستقلاً اگر کسی کتاب میں ذکر فرما دیتے ہیں اور وہی بات ضمناً کسی کتاب میں آئی ہے تو اسی شان احتیاط اور غیر معمولی قوت استقرا کے ساتھ گویا کہ بیان کی ہوئی بات کا ہر جز وکل اپنے اپنے مالہ وماعلیہ کے ساتھ ہمیشہ مدنظر رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحقیقات تضاد بیانی کے عیب سے مبرا ہے اور اصول شکنی کے الزام سے منزہ ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد مظہری یوں رقم طراز ہیں:

''مولانا کثیر التصانیف عالم تھے مگر کثیر التصانیف ہونا فی نفسہ کوئی خوبی نہیں جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ مصنف کا تحقیقی معیار کیا ہے اور وہ رطب و یابس بیان کرنے کا عادی تو نہیں، تحقیق وریسرچ میں صحت نسخ وصحت متن کو اساسی اہمیت حاصل ہے

دیکھا یہ گیا ہے کہ محققین بھی اس کی پرواہ نہیں کرتے اور اس کے مندرجات کو بلا تامل
مصنف سے منسوب کردیتے ہیں۔مولانا بریلوی اس معاملے میں بہت محتاط تھے
انہوں نے ایک مختصر رسالے میں صحت نسخ، صحت متون، اتصال سند، تواتر، تداول،
احتیاط، استدلال وغیرہ پر بحث کی ہے۔''[۱۰]

محقق بریلوی نے جن مبادیات و مصطلحات تحقیق و تدوین کی طرف رہنمائی کی
ہے اچھے اچھے دانشور اس معیار پر پورے نہیں اترتے اور بالغ نظر محققین کی جھولی بھی
ان جواہرات سے خالی معلوم ہوتی ہے، یہی وہ تشنگی ہے جس کی وجہ سے شدت کے
ساتھ آج یہ ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ لسانی، اصولی، اور جدید تحقیقی شعور کی بنیاد
پر اردو کی ضابطہ بندی کی جائے اردو کے بے لاگ محقق رشید حسن خان لکھتے ہیں:

''تحقیق اور تدوین میں جو فرق ہے وہ جس طرح نگاہوں سے اوجھل ہو گیا
تھا۔اس سے ایک نقصان یہ بھی پہنچا کہ تحقیق کے مسائل اور آداب پر تو
کچھ نہ کچھ لکھا گیا لیکن تدوین کے مسائل تشنۂ بیان ہی رہے۔ایک وجہ
یہ بھی ہے کہ تدوین کو نسبتاً آسان کام سمجھ لیا گیا تھا۔(اس وہم نے بہتوں
کو گنہ گار کیا ہے) پندرہ بیس سال کے عرصے میں اس طرف بطور خاص
توجہ کی گئی ہے۔اگرچہ ابھی تک اس موضوع پر کوئی ایسی تصنیف سامنے
نہیں آئی ہے جس میں سارے مسائل کا احاطہ کرلیا گیا ہو۔''[۱۱]

تحقیق و تصحیح کے وسائل کی جستجو اور مسائل کے تجزیہ و احاطہ کے لیے مفکروں کی ٹیم
اور محققوں کا گروہ مسلسل شب و روز مصروف عمل ہے اور اس باب میں بڑی تیزی
سے کام ہو رہا ہے۔یہ ایک بہت اچھی کوشش اور خوش انجام جدو جہد ہے۔(اگر
دیانت داری سے کی جائے تو) تاہم سو برس پہلے محقق بریلوی نے اپنی ذہانت
وفطانت کی بنیاد پر جو اصول وضع فرمادیے ہیں۔اس کی گہرائی کہاں سے آئے جو اس
خصوصی میں آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔آیئے محقق بریلوی کے مرتب کردہ اصول و نکات

کا آج کے اصول تحقیق سے تقابلی جائزہ لیں اور اس روشنی میں اصل نتائج تک پہنچنے کی
پاک سعی کریں۔اجزائے تحقیق کا جس ترتیب سے اوپر ذکر آیا ہے، اسی نہج سے الگ
الگ ہم سب کو پیش کرتے ہیں۔

محقق بریلوی۔۔۔صحت نسخ (۱)

(الف) کوئی کتاب یا رسالہ کسی بزرگ کے نام منسوب ہونا اس سے ثبوت
قطعی کو مستلزم نہیں[۱۲] کسی کتاب کا ثابت ہونا اس کے ہر فقرے کا ثابت ہونا نہیں۔[۱۳]

جدید محققین

اختلاف متن یا انتساب کلام کے تحت جس فراخ دلی کے ساتھ تذکروں میں
چھپے ہوئے اشعار کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ تو اور زیادہ غیر مناسب ہے کیوں کہ بیشتر
مطبوعہ تذکروں میں اشعار کے متن کا حال سب سے زیادہ سقیم ہے۔ایسے تذکروں
کو جب تک آداب تدوین کی مکمل پابندی کے ساتھ مرتب نہ کیا جائے اس وقت
تک متن کو شبہات سے محفوظ قرار نہیں دیا جاسکتا۔عقیدت زود یقینی اور ان جیسی
تصوف پسند اور مغالطہ آفریں خوش اخلاقیوں کی تحقیق میں گنجائش نہیں۔[۱۴]

(ب) کسی مخطوطہ قلمی نسخے یا قدیم مطبوعہ روایت میں شامل کسی متن، حصہ متن لفظ
یا عبارت کی صحت و عدم صحت کے سلسلے میں کسی قطعی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے خارجی و
داخلی وسائل کی قطعی یا قابل اطمینان شہادت درکار ہوتی ہے۔[۱۵]

محقق بریلوی۔۔۔اتصال سند (۲)

(الف) علما کے نزدیک ادنیٰ درجہ ثبوت یہ تھا کہ ناقل کے لیے مصنف تک
سند مسلسل، متصل بذریعہ ثقات ہو۔[۱۶]

(ب) اگر ایک اصل تحقیق معتمد سے اس نے مقابلہ کیا ہے تو یہ بھی کافی ہے یعنی اصول معتمدہ متعددہ سے مقابلہ زیادت احتیاط ہے۔ یہ اتصال سند وہ شے ہے جس پر اعتماد کر کے مصنف کی طرف نسبت جائز ہو سکے۔ [۱۷]

جدید محققین

(الف) حوالے کا قابل قبول ہونا متعدد باتوں پر منحصر ہونا ہے۔ مثلاً یہ کہ واقعے اور روایت کے درمیان زمانی فصل نہ ہو کہ روایت کا تسلسل ٹوٹ جائے۔ روایت اگر ذاتی معلومات پر مبنی ہے اور راوی غیر معتبر بھی نہیں اس صورت میں امکان کی حد تک یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ غلط فہمی جانب داری یا ایسے کسی محرک کے اثرات تو کارفرما نہیں۔ [۱۸]

(ب) کسی متن کو قدیم اور اصل قرار دینے کے لیے یا کسی عہد کی شخصیت سے وابستہ کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس کے حق میں معاصر شہادتیں کیا ہیں اور متن کے قدیم تر قلمی نسخے کس زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسی شہادتوں کی عدم موجودگی میں یہ شبہ کیا سکتا ہے کہ یہ متن اس عہد یا اس شخص سے تعلق نہیں رکھتا۔ [۱۹]

محقق بریلوی۔۔۔ تواتر (۳)

(الف) کسی کتاب کا چھپ جانا اسے متواتر نہیں کر دیتا کہ چھاپے کی اصل وہ نسخہ ہے جو کسی الماری میں ملا اس سے نقل کر کے کاپی ہوئی۔ [۲۰]

(ب) متعدد بلکہ کثیر و وافر علمی نسخے موجود ہونا بھی ثبوت تواتر کو بس نہیں جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ سب نسخے جدا جدا اصل مصنف سے نقل کیے گئے یا ان نسخوں سے جو اصل سے نقل ہوئے ورنہ ممکن ہے کہ بعض نسخ محرفہ ان کی اصل ہوں۔ ان میں الحاق ہوا ہو اور یہ ان سے نقل در نقل ہو کر کثیر ہو گئے ہوں۔ [۲۱]

جدید محققین

(الف) تدوین کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ کسی متن کے جتنے اہم نسخے ممکن الحصول ہوں۔ ان سب سے استفادہ کیا جائے۔ معتدد مجموعہ ہائے کلام کے متعلق معلوم ہے کہ ان میں الحاق کلام موجود ہے یا یہ کہ متن میں تحریف کی گئی ہے۔ تحقیق کے طلبا کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہیے کہ ان کے متن کو سند اور ثبوت کے طور پر اس وقت تک پیش نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ معتبر نسخوں سے مقابلہ نہ کر لیا جائے۔ [۲۲]

(ب) عام حالتوں میں یہ فیصلہ کہ کسی متن کی صحیح حدود کیا ہونی چاہئیں۔ اس کے معتبر نسخے کو سامنے رکھ کر لیا جا سکتا ہے لیکن ان حدود کے تحقیقی تعین کے لیے مختلف قلمی اور مطبوعہ نسخوں کا تقابلی مطالعہ ضروری ہے اس ضمن میں مصنف کے اپنے قلمی نسخے کے علاوہ باقی نسخوں پر بھی اعتماد کلی کا اظہار کرنا ممکن نہیں۔ [۲۳]

محقق بریلوی۔۔۔ تداول (۴)

(الف) اور متاخرین نے کتاب کا علما میں ایسا مشہور و متداول ہو جانا جس سے اطمینان ہو کہ اس میں تغیر و تحریف نہ ہوئی۔ اسے بھی مثل اتصال سند جانا۔ [۲۴]

(ب) 'تداول کے یہ معنی کہ کتاب جب سے اب تک علما کے درس و تدریس یا نقل و تمسک یا ان کے مطمح نظر رہی ہو جس سے روشن ہو کہ اس کے سارے مقامات و مقالات علما کے زیر نظر آ چکے اور وہ بحالت موجودہ اسے مانا کیے۔ زبان علما میں صرف وجود کتاب کافی نہیں کہ وجود و تداول میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ [۲۵]

جدید محققین

(الف) معلومہ قلمی نسخوں میں سب سے اہم وہ قلمی نسخے ہو سکتے ہیں جو خود

مولف کے اپنے دست وقلم کے مرہون منت ہوں اور جن کے بارے میں اس امر کی کافی وشافی شہادت (داخلی وخارجی سطح پر) موجود ہو کہ یہ صاحب تصنیف کا اپنا خطی نسخہ ہے دوسرے درجے پر ایسے قلمی نسخے رکھے جاسکتے ہیں جو مصنف کے ایما سے بڑے اہتمام کے ساتھ تیار کیے گئے ہوں یا جن کی تیاری میں اس کے کسی عزیز شاگرد مرید یا دوست کا ہاتھ رہا ہو۔۲۶

(ب) اگر مصنف کے ہاتھ کا لکھا مخطوطہ ہاتھ لگ جائے تو گویا، گنج بادآورد مل گیا۔لیکن ایسا بہت شاذ ہوتا ہے۔ یہ طے کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کہ مخطوطہ مصنف کے ہاتھ کا ہے یا نہیں۔ کیوں کہ یہ گنجائش رہتی ہے کہ کسی جعل ساز نے نسخے کا نرخ بالا کرنے کے لیے اسے مصنف کے ساتھ منسوب کردیا ہو(۲۷)

(ج) متن کے گم شدہ سلسلوں کی بازیافت کے لیے معاصرین کی تصانیف کی طرف رجوع اور اس مجموعہ ہائے کلام کا تقابلی مطالعہ ضروری ہے۔ بالعموم ایک مصنف کے مختلف مجموعوں میں یا اس کی تالیف کے مختلف نسخوں میں متن کے حدود ایک نہیں ہوتے اور ان کے تحقیقی مطالعے سے جس طرح الحاقات واضافات کا پتہ چلتا ہے اسی طرح الحاقات کے مطالعے سے اصل متن کی بازیابی ممکن ہوجاتی ہے۔۲۸

محقق بریلوی ۔۔۔احتیاط نقل واستدلال (۵)

(الف) علماء نے فرمایا جو عبارت کسی تصنیف کے نسخے میں ملے، اگر صحت نسخہ پر اعتماد ہے یوں کہ اس نسخہ کو خود مصنف یا کسی اور ثقہ نے خاص اصل مصنف سے مقابلہ کیا ہے یا اس نسخے سے جسے اصل پر مقابلہ کیا تھا، یوں ہی اس ناقل تک تو یہ کہنا جائز ہے کہ مصنف نے فلاں کتب میں یہ لکھا ورنہ جائز نہیں۔۲۹

(ب) اس نسخہ صحیحہ معتمدہ سے جس کا مقابلہ اصل مصنف یا اور ثقہ نے کیا وسائط زاید ہوں تو سب کا اسی طرح کے معتمدات سے ہونا معلوم ہو یہ بھی ایک طریقہ

روایت ہے اور ایسے نسخے کی عبارت کو مصنف کا قول بتانا جائز۔۳۰

جدید محققین

تاریخ ادب کی کتابیں لغات، انتخابات، نصابی کتابیں، ان کتابوں میں اور ان جیسی کتابوں میں قدیم وجدید شاعری کا کلام اور نثر کے اجزا محفوظ ہیں۔ چونکہ یہ معلوم ہے کہ ایسی بیشتر کتابوں میں نقل درنقل سے کام لیا گیا ہے اور یہ بھی کہ عام طور پر ایسے مجموعوں میں بے احتیاطیوں کی کارفرمائی پائی جاتی ہے اور ان کے مرتبین نے تحقیق اور تدوین کی پابندی نہیں کی ہے اس لیے صحت انتساب اور صحت متن کی حد تک ان کو مستند ماخذ کی حیثیت حاصل نہیں ہوں گی۔۳۱

(ب) یہ اصول بھی قاعدہ کلیہ کے طور پر کام نہیں آسکتا کہ صرف ان روایتوں کو لیا جائے جو ایک سے زیادہ نسخوں میں ملتی ہیں۔ محض یہ صورت کہ ایک روایت ایک سے زیادہ نسخوں میں موجود ہے اس کی صحت کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سب نسخے ایک روایت پر مبنی ہوں۔ ایسی صورت میں اساسی طور پر ان کو ایک ہی نسخہ مانا جائے گا۔ کئی نسخے نہیں۔ جب تک کہ اس کے برعکس نتیجے تک پہنچنے کے لیے قابل وثوق شواہد یا قرائن موجود نہ ہوں اسی طرح پر ایک نسخہ ہو یا اور نسخے ہوں ان کے صحت وسقم پر غور وتامل اور تحقیقی تنقید ضروری ہے۔۳۲

بغیر کسی تبصرے کے ہم نے محقق بریلوی اور جدید محقق کے اقوال وآرا نقل کردیے ہیں محض مطابقت کی کوشش میں کہیں کہیں تو بڑے بڑے پیراگراف کی نقل سے بھی ہم نے گریز نہیں کیا ہے پھر بھی صحت وسقم کے اعتبار سے ان دونوں میں جو امتیاز ہے وہ ارباب نقد ونظر اچھی طرح معلوم کرسکتے ہیں میرے فہم ناقص میں جو چند باتیں آئیں وہ یہ ہیں:

(۱) محقق بریلوی کے یہاں ایجاز واختصار ہے اور جدید محققین کے یہاں

گراں نظر شرح وبسط۔

(۲) محقق بریلوی کے یہاں جامعیت ومانعیت کی ہم آہنگی ہے اور جدید محققین کے یہاں طول کلامی اور تشنہ بیانی۔

(۳) محقق بریلوی کے یہاں ضابطہ بندی کے اصول کے تحت چھوٹے چھوٹے جملوں میں وسیع المفاہیم پیرا بندی ہے اور جدید محققین کے یہاں بڑے بڑے ذہن کو بوجھل کرنے والے جملوں کے کارفرمائی۔

(۴) محقق بریلوی کے مرتبہ آئین میں قوت گرفت وگزاشت اور بست وکشاد کی فراوانی ہے اور جدید محقق کے یہاں اس کی کمی معلوم ہوتی ہے۔

(۵) محقق بریلوی کی نظر دفعات کے جزوکل پر حاوی ہے اسی لیے بہت دور تک تعاقب کا تصور ملتا ہے اور جدید محققین کے یہاں کیف وکم کی ژولیدگی کی وجہ سے کوشش تسلی بخش نہیں۔

(۶) محقق بریلوی کے یہاں یقین واذعان کی بوقلمونی ہے۔ اور جدید محققین کے یہاں شک وارتیاب کی حکمرانی۔ امام احمد رضا نے یہ اصول تحقیق اس وقت تحریر فرمائے ہیں جب باضابطہ طور پر اردو زبان میں تحقیقی وتدوینی اصول پر کوئی جامع کتاب موجود نہیں تھی۔ اس طرح تحقیقی اصول کے بھی پیشوا امام احمد رضا ثابت ہوتے ہیں۔ محقق بریلوی جدید محقق کے جھرمٹ میں مثل آفتاب وماہتاب درخشاں نظر آرہے ہیں۔ آپ کی بخشی ہوئی روشنی سے تحقیق کے تاریک گوشوں کو چمکا یا جاسکتا ہے اور اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آئین کی تدوین وتزئین پر جس کی نظر اتنی گہری ہو، اس کے تحقیقی رشحات کا کا معیار کتنا بلند ہوگا اور اس نے تحقیقی تخلیقات اور دیگر علمی تصنیفات کی حلقہ بندی میں کیسی جگرکاوی کی ہوگی، یہی وہ آپ کی فکری آگہی اور فنی بلند نگاہی ہے۔ جس نے عرب وعجم کو ششدر کر رکھا ہے۔ تلاش بسیار کے بعد بھی جدید محققین کا کشکول فکر آپ کے پیش کردہ بعض نکات

سے خالی ہی نظر آتا ہے۔ پروفیسر مسعود احمد مظہری تحریر فرماتے ہیں۔ امام احمد رضا کے مطالعہ وتحقیق کا معیار بھی بہت بلند ہے انہوں نے کبھی لکھی لکھائی اور سنی سنائی بات پر تکیہ نہ فرمایا۔ بلکہ اصل متون کا خود مطالعہ فرمایا۔ اور جب تک خود مطمئن نہ ہوتے حوالے نہ دیتے۔ ان کے پایۂ تحقیق کا اندازہ "حجب العوار عن مخدوم بہار" کے مطالعے سے ہوتا ہے۔ جس میں انہوں نے متن کتاب کی تحقیق سے متعلق وہ نکات واصول بیان فرمائے ہیں جو دور جدید کے محققین کے وہم خیال میں میں بھی نہیں۔ اور دنیا کا کوئی محقق متن کے لیے یہ اہتمام نہیں کرتا جو امام احمد رضا اہتمام فرماتے تھے۔ [۳۲]

جدید تحقیق کے جو اصول وضوابط آج تحقیقاتی اداروں اور ان اداروں کی زیر نگرانی شائع ہونے والی کتابوں میں موجود ہیں، یہ جدید تحقیقاتی اصول اب کے ہیں اور متعدد دانشوروں کے ہیں۔ امام احمد رضا نے تنہا ان مروجہ اصول سے بہت پہلے نہ صرف یہ کہ اپنی کتابوں میں ان کو برتا ہے بلکہ جہاں جہاں پیش کش میں شبہات کی گنجائش نکل سکتی تھی، ان تمام مقامات کے لیے آپ نے تحقیقی اصول خود مرتب ومدون فرما کر جدید محققین کو حیرت میں ڈال دیا ہے، اب کسی کی مجال نہیں ہے کہ غیر معتمد اور غیر ثقہ حوالوں کا سہارا لے کر اپنی تخلیقات کو تحقیقات کی مسند پر بٹھا سکے۔ امام احمد رضا کی چھوٹی بڑی تقریباً ایک ہزار کتابیں ہیں مگر ان کتابوں میں آپ نے تحقیقی اصول، تدوینی ضابطے، احتیاطی نکات کا ایسا لحاظ وخیال رکھا ہے کہ ہزار اختلاف کے باوجود اب تک کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ آپ کی کسی تصنیف، تالیف، تدوین، مضمون یا مقالہ، ملفوظ یا مکتوب کو تحقیقی معیار سے ذرا بھی ہٹا ہوا ثابت کردے۔ یہ تحقیقی اصول کی پابندی، تصنیفی ضابطے کا لحاظ، تدوینی احتیاط کی پاسداری وخیال کا نتیجہ ہے کہ اس سو سال کے اندر ہزاروں تصانیف مختلف مکاتب فکر کی سامنے آئیں مگر جن کی تصانیف کو کل کی طرح آج بھی بالادستی حاصل ہے وہ صرف امام احمد رضا کی تصنیف ہے۔

حوالے

محقق بریلوی اور جدید اصول تحقیق

نمبر شمار	کتاب	تصنیف	صفحہ
۱	کلام رضا	اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی	۵
۲	// //	// //	۹۶
۳	اصول تحقیق وترتیب متن	ڈاکٹر تنویر احمد علوی	۱۲
۴	// //	// //	۱۲
۵	امام احمد رضا کی فقہی بصیرت	پروفیسر مسعود احمد مظہری	۱۵
۶	قاری دہلی کا امام احمد رضا نمبر	مضمون، مولانا عبد الکریم	۳۵۸
۷	نزہۃ الخواطر	دائرۃ المعارف العثمانیہ	۴۱
۸	امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات	مولانا یٰسین اختر مصباحی	۴۰۲
۹	// //	// //	۴۰۹
۱۰	امام اہل سنت	پروفیسر مسعود احمد مظہری	۴۸
۱۱	ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ	رشید حسن خاں	۹۲، ۹۳
۱۲	حجب العوار عن مخدوم بہار	امام احمد رضا	۳
۱۳	امام اہل سنت	پروفیسر مسعود احمد مظہری	۴۸،۴۹
۱۴	ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ	رشید حسن خاں	۱۷۷،۱۱۸
۱۵	اصول تحقیق وترتیب متن	ڈاکٹر تنویر احمد علوی	۱۷۸
۱۶	حجب العوار عن مخدوم بہار	امام احمد رضا	۵

نمبر شمار	کتاب	تصنیف	صفحہ
۱۷	امام اہل سنت	پروفیسر مسعود احمد مظہری	۴۹
۱۸	ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ	رشید حسن خاں	۱۶
۱۹	اصول تحقیق وترتیب متن	ڈاکٹر تنویر احمد علوی	۱۰۲
۲۰	حجب العوار عن مخدوم بہار	امام احمد رضا	۵
۲۱	امام اہل سنت	پروفیسر مسعود احمد مظہری	۴۹
۲۲	ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ	رشید احمد خاں	۱۳۸
۲۳	اصول تحقیق وترتیب متن	ڈاکٹر تنویر احمد علوی	۸۱،۸۲
۲۴	حجب العوار عن مخدوم بہار	امام احمد رضا	۷،۸
۲۵	امام اہل سنت	پروفیسر مسعود احمد مظہری	۴۹،۵۰
۲۶	ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ	رشید حسن خاں	۲۷
۲۷	تجزیئے	ڈاکٹر گیان چند جین	۷۱
۲۸	اصول تحقیق وترتیب متن	ڈاکٹر تنویر احمد علوی	۹۳
۲۹	حجب العوارض مخدوم بہار	امام احمد رضا	۶
۳۰	ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ	رشید احمد خاں	۱۸
۳۱	اصول تحقیق وترتیب متن	ڈاکٹر تنویر علوی	۲۱
۳۲	امام احمد رضا کی فقہی بصیرت	مقدمہ، پروفیسر مسعود احمد مظہری	۱۸

○○○

محافظ علوم و درسگاہ

امام احمد رضا نے جس طرح اپنی فکری استقامت وصلابت سے بہت سی مٹتی سنتوں کو زندہ فرمایا ویسے ہی آپ نے علم کی بہت سی مرجھائی شاخوں کو برگ وبار آشنا کیا۔ بہت سے فنون کو نئی زندگی بخشی، دنیا جانتی ہے کہ جس فنکار کو جس فن سے انسیت، محبت اور لگاؤ ہوتا ہے وہ اس کی حفاظت، نشوونما اور ترقی وارتقاء کی بھی فکر رکھتا ہے اور حسب استطاعت بر وقت مناسب کارروائی کرتا ہے۔ جس طرح پھولوں کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ گلشن وگلزار کی حفاظت کی جائے ایسے ہی علوم وافکار کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ ان کے سرچشموں یعنی درسگاہ کی حفاظت کی جائے، اس تعلق سے عہد رضا میں ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب غیر شعوری طور پر محض جذبات کی رو میں بہہ کر کچھ اپنوں کے غلط زاویہ ہائے فکر کی وجہ سے درسگاہیں خزاں کی زد میں آچکی تھیں کہ مرد علم وفن امام احمد رضا نے آگے بڑھ کر شامیانہ تحفظ تان دیا۔ اس کے بعد تو عالم یہ ہوا کہ مسلمانوں کے عقائد ومعمولات کی حفاظت کے جھرمٹ میں دین ودانش کے سرچشموں کی حفاظت بھی شامل ہوگئی۔

آغاز بیسویں صدی کی تاریخ کا جائزہ، کوائف وحالات کا تجزیہ اور امام احمد رضا کی کتابوں کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے کے بعد مولانا کوثر نیازی جیسے غیر جانب دار شخص بھی اس نتیجے پر پہنچے۔

"امام احمد رضا پالیٹیشین نہیں اسٹیٹسمینس تھے۔ سیاسی لیڈر نہ تھے، مدبر تھے، پالیٹیشین اور سیاسی لیڈر عوام کی خواہش کے تابع ہوتے ہیں جب کہ اسٹیٹسمنس اور مدبرین پیش بینی کر کے حالات کا رخ متعین کرتے ہیں۔" (امام احمد رضا ایک ہمہ وقت شخصیت، ۲۶)

مولانا کوثر نیازی کے اس تجزیہ پر مفتی محمد مطیع الرحمان مضطر پورنوی کا یہ تبصرہ بڑا معنی خیز، تاریخی حقائق کا حامل اور چشم کشا ہے۔

"مولانا کوثر نیازی کے اس نظریے کے پشت پر جو واقعات وحقائق ہیں ان کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب گاندھی جی کی قیادت میں ہندوؤں نے دوسرے شعبہ ہائے زندگی کے ساتھ تعلیم کے میدان میں بھی مسلمانوں کو مات دینے کے لیے ان کے اس وقت کے دو اہم تعلیمی مراکز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، اور اسلامیہ انٹر کالج لاہور کو تباہ وبرباد کردینے کی خفیہ سازش کی۔ تو اس میں کچھ شعوری اور کچھ لاشعوری طور پر بہت سے مسلمان بھی شریک ہوگئے۔ جن میں مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا شوکت علی اور محمد علی پیش پیش تھے۔ (بعد میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے امام احمد رضا کے خلیفہ مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کے ہاتھوں توبہ کرلی۔"

(حیات صدر الافاضل، ص ۱۷۳، ۱۷۴)

انہوں نے علوم جدیدہ، اسلامیات کے خلاف میں انگریزی ہندی پڑھ کر مسلمان بچے صحیح معنی میں مسلمان نہیں رہتے ہیں۔ یہ ادارے حکومت کی امداد سے چلتے ہیں جبکہ گورنمنٹ مسلمانوں کی دشمن ہے۔ اس طرح کی آوازیں بلند کرکے مسلمانوں کو ان سے دور رکھنے، اور بائیکاٹ کرنے کی ترغیب دینی شروع کردی۔ خود مولانا محمود الحسن کا یہ بیان "ترک موالات" ص ۱۱، مدینہ پریس بجنور میں شائع ہوا ہے۔

"علی گڑھ کالج کی ابتدائی حالت میں علمائے متدینین نے علی العموم اس قسم کی تعلیم کے جواز سے جواز سرتاپا گورنمنٹ کے رنگ میں رنگی ہو روکا۔ بد قسمتی سے وہ رک نہ سکی۔ اب جب کہ اس کے ثمرات ونتائج آنکھوں سے دیکھ لئے تو قوم کو اس سے بچانا، بالبداہتہ ایک ضروری امر ہے۔"

پروفیسر حاکم علی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا ابوالکلام آزاد نے بیس اکتوبر ۱۹۲۰ء کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں مل کر یہ اعلان کر دیا کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اس کا قطع الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترک موالات نہیں ہوسکتی۔ اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں کو یہ فتویٰ دے دیا کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو۔ لہٰذا اس طرح کالج میں بے چینی پھیلا دی کہ پڑھائی میں سخت نقصان شروع ہو گیا۔''

(فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، ص ۲۷۹)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اس وقت کے متعلم جناب مقصود علی صاحب لکھتے ہیں:

''گیارہ اکتوبر کو مولانا شوکت علی و مولانا محمد علی جوہر صاحب علی گڑھ تشریف لائے اور انہوں نے ہم طالب علموں کو یہ سمجھا کہ گورنمنٹ مسلمانوں کی دشمن ہے۔ اس وقت گورنمنٹ سے ہم مسلمان ان قطع تعلق کر لیں اور کالج کے طالب علموں کو یہ بتایا کہ گورنمنٹر وپیہ دیتی ہے تو ہم کالج چھوڑ دیں۔'' (فتاویٰ رضویہ جلد ۶، ص ۱۷۱)

جس سے مسلمانوں میں عام بے چینی اور عجب کشمکش کی حالت پیدا ہو گئی اور انہوں نے اس طرح کے سوالات بھیج کر امام احمد رضا سے شرعی احکام دریافت کیے۔

- تو کیا اس وقت کالج چھوڑ دینا ہم لوگوں کا مذہبی فریضہ ہے؟
- مسلمانوں کو علی گڑھ کالج کی امداد حرام ہے یا کیا؟
- تعلیم انگریزی و ہندی مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں؟

امام احمد رضا نے ایک مدبر کی حیثیت سے مسلمانوں کو ہندوؤں کی اس پر فریب سازش سے باخبر کیا اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں واضح فرمایا کہ:

''حکومت سے امداد لینے کی بنیاد پر ان اداروں میں ملازمت کرنا، یا تعلیم

پانا، ناجائز نہیں، یونہی علوم جدیدہ یا انگریزی ہندی کا پڑھنا، پڑھانا بھی ناجائز نہیں، اگر ان اداروں میں جدید علوم وفنون کو اسلامی رنگ میں پڑھایا جائے تو مدد دینے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔ جائز ہے۔'' (امام احمد رضا حقائق کے اجالے میں ص ۱۶، بحوالہ فتاویٰ رضویہ جلد ۶)

یہ ایک ماہر سیاست، عظیم مدبر کے ذہن کی پرواز ہے، جو آپ دیکھ رہے ہیں، آج تمام درسگاہوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور تعلیم حاصل کرنے والے تمام طالب علموں، تعلیم دینے والے اپنے فن کے ماہروں کو امام احمد رضا کا ممنون احسان ہونا چاہیے کہ ان کا وجود سلامت ہے۔ جدید تعلیم یافتہ اشخاص میں ان کا شمار ہو رہا ہے، لوگ تعلیمی میدان میں آگے بڑھ رہے ہیں، ڈاکٹر، انجینئر بن رہے ہیں، بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر رہے۔ عالمی علمی آفاق پر آفتاب و ماہتاب بن کر جگمگا رہے ہیں۔ امام احمد رضا کی پیش بینی کے قربان جائیے اگر انھوں نے منفی طوفان کے مقابلے میں مثبت رول نہ اپنایا ہوتا تو آج مسلم سماج کا ایک رخ بالکل تاریک ہوتا یہ جدید تعلیم کا اجالا امام احمد رضا کی نوازشات سے ہے۔

مسلم یونیوسٹی علی گڑھ کو تو امام احمد رضا چیئر قائم کرنا چاہیے کہ اس پر بطور خاص امام احمد رضا کی فکر مہربان ہے۔ چوکہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمود الحسن دیوبندی، اور دیگر علماء جو اس وقت بساط ہند کی قسمت تصور کیے جا رہے تھے نے ڈائریکٹ نشانہ اسی کو اور اسلامیہ کالج لاہور کو بنایا تھا۔ طلبا کا وہاں تعلیم حاصل کرنا اور سرپرست طلبا کا مالی امداد فراہم کرنا ممنوع قرار دے دیا تھا۔ ناگہانی بحران کا طوفان ان حضرات نے برپا کر دیا تھا، سوچیے اگر ان حضرات کے حکم پر اگر عمل کر لیا گیا ہوتا۔ تو آج کیا حال ہوتا، مگر بحیثیت فقیہ ومجدد امام احمد رضا نے پیشوائی فرمائی۔ سارے مسائل وحالات کو منظر، پس منظر کے آئینے میں دیکھا، اور پھر شرعی میزان پر تول کر جو حکم اصلی تھا صادر وظاہر فرمایا۔

اس کا اتنا زبردست اثر ہوا کہ طوفان کا رخ مڑ گیا، بادلوں کی گھن گرج تھم
گئی۔ جو آج مسلم قوم کے لیے سرمایہ علوم جدیدہ بن کر چمک رہی ہے۔ واضح ہو رہا
ہے کہ امام احمد رضا کسی علم کے مخالف نہ تھے وہ ہر علم وفن سے پیار کرتے تھے۔ مگر
چاہتے یہ تھے کہ جدید علوم وفنون کو اسلامی رنگ میں پڑھایا جائے، یہ ایک خالص
اسلامی اسکالر و مفکر کی آواز و شان تھی جو ہر حال میں غلبہ علوم اسلامی کی متمنی تھی۔ وہ
یہ ثابت کر دینا چاہتے تھے کہ جدید علوم کی جدید چمک سے مرعوب ہونے کی
ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ یہ سب قرآن مجید کے سرچشمہ کی ایک لہر ہے۔ ہاں
اسے قابو میں کرنے کے لیے اسے اسلامی رنگ وآہنگ کا پابند کیا جائے۔ اس پر
اس کا کیف نہیں بلکہ اسلامی کیف کا غلبہ ہونا چاہیے۔ اور یہ تمہارے اوپر ہے کہ تم
اس سے متاثر ہوتے ہو یا اس کو متاثر کرتے ہو اگر تم متاثر ہو گئے تو پھر تم نے علوم
اسلامی کا حق ادا نہیں کیا۔ اور اگر تم نے متاثر کر دیا تو تم کامیاب ہو تم نے اسلامی
قرآنی علوم کا حق ادا کر دیا۔ اگر امام احمد رضا کی فکر اسلامی کے مطابق عمل کیا گیا ہوتا
تو فرنگی ماحول، فرنگی گرد وپیش، فرنگی زندگی اور فرنگی تفکر وتخیل کی بالادستی نہیں۔ اسلامی
رنگ وآہنگ کی حکمرانی ہوتی۔ امام احمد رضا کے معاصرین کا اس نقطۂ نظر سے جائزہ
لیجیے تو سب کا دامن فکر ان افکار کے گل وگلزار سے خالی نظر آئے گا۔ جہاں بہت بعد
میں دوسروں کی نظر پہنچتی تھی۔ وہاں پہلی ہی نظر میں امام احمد رضا سب کچھ دیکھ کر
تنبیہ کے گوہر آبدار سے دامن قوم سجا دیا کرتے تھے۔ اس خلا کا واضح ثبوت کالج
و یونیورسٹی ہی کو بند کر دینے کا غیر دانشمندانہ اقدام ہے، امام احمد رضا چوں کہ قدیم
صالح اور جدید نافع کے جامع تھے اس لیے انہوں نے نہ صرف یہ کہ دونوں کی جھولی
کو نت نئ تحقیقات کے درشاہوار سے ممتاز کیا بلکہ اس کی حفاظت کی فکر بھی
فرمائی۔ طوفان کا مقابلہ بھی کیا۔ چیلنج کو قبول بھی کیا اور حسب ضرورت وموقع
داروئے شفا بھی دیا، کہیں شرعی اصول سے جدید علوم کو مٹنے اور مرنے سے بچایا تو

کہیں جدید علوم سے شرعی مسائل میں خوب خوب استفادہ فرمایا۔ وہ دونوں کے محسن
دونوں کے مخلص، دونوں کے معاون اور دونوں کے محافظ ہیں۔

شعر وسخن

اگر فضل وکمال کی وہ جگمگاہٹیں ہوتیں جو پچھلے اوراق میں گذریں اور شعر وسخن
کی لطافتیں نہ ہوتیں تو نقائص پر نظر ڈالنے والی دنیا اچھل پڑتی، چلو کچھ تو ملا، ایک کمی
تو نظر آئی۔ مولانا احمد رضا شعر وسخن پر قدرت نہیں رکھتے تھے، مگر قدرت آپ کو
متصف بہم صفت دیکھنا چاہتی تھی، اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہے اس صنف ادب
میں بھی وہ رفعت بخش دی کہ استادان وقت دیکھتے ہی رہ گئے۔ سخنوان زمانہ نے
اعتراف کیا کہ واقعی مولانا احمد رضا جس سمت آگئے ہیں سکے بٹھا دیے
ہیں۔ مشہور مقولہ ہے کہ ''تحقیقات علمیہ اور نازک خیالی ایک شخص میں جمع نہیں ہوتی
ہیں۔'' مگر امام احمد رضا اس کے برعکس جہاں ایک باریک بیں ونکتہ داں محقق اور
دور رس مدبر تھے، وہیں نازک خیال شاعر بھی۔ آپ نے اردو وفارسی، عربی اور
ہندی چاروں زبانوں میں اشعار کہے ہیں۔ ہر شعر میں چاروں زبانوں کے التزام
کے ساتھ یہ نعت زبان زد عوام وخواص ہے۔

لم یات نظیرك فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سرسو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

بڑے بڑے نقادان فن جیسے علامہ شمس بریلوی، ڈاکٹر حامد علی خاں، ڈاکٹر ملک
زادہ منظور، ڈاکٹر سلام سندیلوی، ڈاکٹر امانت، ڈاکٹر نسیم قریشی، ڈاکٹر جمیل جالبی،
ڈاکٹر مسعود احمد مظہری، پروفیسر عظیم الحق جنیدی، کالی داس گپتا رضا، نظیر احمد
لدھیانوی، جام بنارسی، ڈاکٹر وحید اشرف، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، مرید احمد چشتی،
ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی وغیرہم نے آپ کے کلام کو تنقید کے تمام معیاروں پر پرکھا

ہے۔اور برملا اعتراف کیا ہے کہ امام احمد رضا کی شاعری میں جملہ فنی محاسن پائے
جاتے ہیں۔غالب کی طرف داری کا الزام نہ ہو تو عرض کروں کہ امام احمد رضا کی
شاعری میں فن کے اتنے ہمہ جہتی محاسن اور خوبیاں موجود ہیں کہ شاید کسی اور استاد
سخن کے کلام میں یکجا ملیں، میر کو غزل کا ناخدا کہا جاتا ہے مگر دوسرے اصناف سخن
میں ان کو کیا درک تھا وہ سب پر روشن ہے۔سودا کو قصیدہ کا بادشاہ مانا جاتا ہے مگر ان
کی غزلیں دوسرے درجے کے معیار پر اتر سکیں۔میر حسن کا رتبہ ان کی مثنوی گوئی
تک محدود ہے۔غالب نے بھلے ہی غزل کے ساتھ ساتھ دوسرے اصناف سخن میں
طبع آزمائی کی ہے مگر وہ ان میں کتنا کامیاب رہے۔غالب بھی سمجھتے تھے۔اور ان
کے پرستار و ناقدین بھی سمجھتے ہیں۔اس کے برعکس امام احمد رضا کو دیکھئے تو وہ تمام
اصناف سخن میں یکساں داد دیتے نظر آتے ہیں۔غزلیات کے میدان میں وہ میر
وغالب اور مومن کے ہم پلہ معلوم ہوتے ہیں۔تو مثنوی نگاری میں میر حسن کے
ہمدوش ان کے قصائد کو دیکھئے تو وہ کسی طرح بھی سودا کے قصائد سے کم رتبہ نہیں ہیں
۔یہی حال قطعات و رباعیات وغیرہ کا بھی ہے اور جو چیز خصوصیت کے ساتھ ان کو
تمام شعراء سے ممتاز کرتی ہے وہ ان کے خالص نعت و منقبت کا موضوع ہے جس کی
دونوں جانب متعین حدیں ہیں، جس سے آگے بڑھنے کی گنجائش ہے نہ پیچھے ہٹنے کا
موقع، جب کہ دوسروں نے ان موضوعات کو اپنی جولانگاہ بنایا ہے جس کا نہ کوئی اور
ہے نہ چھور۔ (امام احمد رضا حقائق کے اجالے میں، ص ۲۳)

علوم فنون کے عالمی ریکارڈ بنانے والے امام سے بھلا شعر و سخن کا میدان کیسے
سونا رہ سکتا ہے۔جونہی قدم رکھا میدان کے نشیب و فراز خود منزل بنتے گئے اور پھر تو
وہ وہ کارنامے انجام دیے کہ کارنامہ کو بھی ناز ہے اور لوگ شعر کہنے سے پہلے کاغذ قلم
سنبھالتے ہیں۔تخلیقی قوت کو مجتمع کرتے ہیں، کاٹتے چھانٹتے ہیں۔حذف و اضافہ
اور نہ جانے کتنی بار تراش خراش کے مرحلے سے گزرتے ہیں۔تب جا کر اشعار کا

ایک ہار زیب ڈائری بنتا ہے۔مگر حالت سفر میں وہ بھی ٹرین میں تخیل ہی تخیل میں
اشعار قطار اندر قطار ترتیب دینا اور مستقر پر پہنچ کر ان سب کو ترتیب وار املا کر دینا
صرف امام احمد رضا کی شان ہے۔سن ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت جبل پور تشریف لے
جا رہے تھے، حاجی کفایت اللہ آپ کے خادم خاص بھی آپ کے ہم سفر تھے، ان
کے دل میں یہ خیال گزرا کہ مجدد کا کوئی وقت خدمت دین سے خالی نہیں جاتا، آج
اس سفر میں کون سی دین کی خدمت ہو رہی ہے۔جب یہ قافلہ جبل پور پہنچا تو حاجی
کفایت اللہ سے اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔فقیر نے راستے میں تین سو ساٹھ اشعار
کہے ہیں۔جن میں ۳۵ اشعار نعت پاک کے ہیں۔باقی عموماً وہابیہ خصوصاً
دیوبندیوں کے رد میں ہیں۔ذرا قلم بند کر لیجئے۔ان کو یہ قصیدہ مبارکہ دیکھ کر، اپنے
دل کے وسوسے پر ملامت ہوئی اور اعلیٰ حضرت سے عرض کیا کہ حضور میرے دل
میں یہ وسوسہ گزرا تھا لیکن خدا کی قسم اب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کا کوئی وقت بھی تبلیغ
دین سے خالی نہیں ہے۔ (تجلیات امام احمد رضا، ص ۱۳۰)

کچھ اہل فن ہی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تین سو ساٹھ اشعار کا کہنا وہ بھی
ٹرین میں اور ان کو ترتیب سے یاد رکھنا، اور پھر قیام گاہ پر بالترتیب تحریر کرانا، ہر
ایک کے بس کی بات نہیں۔وہ قصیدہ مبارکہ: الاستمداد علیٰ اجیال
الارتداد (۱۳۳۷ھ) کے تاریخی نام سے بار بار شائع ہو چکا ہے۔

اعلیٰ حضرت نہ صرف خود ایک رواں دواں، سیال اور زرخیز قلم کے مالک تھے
بلکہ آپ کے فیض نظر اور بے مثال تربیت نے آپ کے اسلاف، تلامذہ اور خلفا کے
ہاتھ میں قلم دے دیا تھا جس کے نتیجے میں قرآن و حدیث، تفسیر و فقہ، عقائد و کلام
صرف و نحو، منطق و فلسفہ، تبلیغ و مناظرہ، سیاست و معاشرت، طب و حکمت نو پید
مسائل اور جدید سائنس کے علاوہ ادب و شاعری اور نظم و سخن کے عنوانات پر تصنیف
و تالیف کا قابل قدر سرمایہ تیار ہو گیا۔ان کے خلفا و تلامذہ میں اکثر صاحب دیوان

شاعر ہیں۔ اعلیٰ حضرت صرف شاعر نہیں استاذ الشعراء تھے۔ برمحل برجستہ آپ شعر کی اصلاح فرماتے تھے صرف ایک مثال حاضر ہے۔ یہ واقعہ مقبول جہانگیر نے اردو ڈائجسٹ میں شائع کیا ہے۔ حضرت اطہر ہاپوری اردو کے مشہور شاعر تھے ان کا شمار اس دور کے اساتذۂ غزل میں ہوتا تھا، ایک دفعہ انہوں نے فاضل بریلوی کی موجودگی میں نعت سنائی، مطلع تھا کہ

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

مطلع سن کر مولانا (اعلیٰ حضرت) ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ اس کا دوسرا مصرع مقام محبت کے لائق نہیں اسے بدلنے کی کوشش کرو، اطہر صاحب حیران کھڑے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا اُسے یوں کرلو۔

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلیٰ کے سامنے

(معارف رضا شمارہ ۲۴، کراچی)

اس واقعہ میں ایک طرف مولانا کی شعر گوئی پر تخلیقی گرفت کا اظہار ہوتا ہے تو دوسری طرف مقام رسالت کا احترام معجزاتی انداز میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔

نعت گوئی میں اعلیٰ حضرت نے حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہبر بنایا اور ان کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ وہ مداح رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کے لیے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود منبر بچھایا، اور ان کو بٹھایا، دعاؤں سے نوازا، فرماتے ہیں۔

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حسان بس ہے

اردو نعت گوئی میں شہید جنگ آزادی مولانا کفایت علی کافی کا رنگ پسند آیا

کہ وہ اللہ کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا، وہ درد وسوز سے معمور تھا وہ زندگی سے بھرپور تھا۔ وہ ایک مہکتا چمن تھا۔

مہکا ہے میرے بوئے دہن سے عالم
یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافی سلطان نعت گویاں ہیں رضا
انشاء اللہ میں وزیر اعظم

مگر بلندیٔ فکر اور مضمون کی بندش میں کمال کے باوجود مولانا کفایت علی کافی کے دردِ دل کے آرزومند رہے، کہ بغیر دردِ دل کے شاعری شاعری نہیں۔

پرواز میں جب مدحت شہ کے آؤں
تا عرش پر فکر رسا سے جاؤں
مضمون کی بندش تو میسر ہے رضا
کافی کا دردِ دل کہاں سے لاؤں

یہ آرزو پوری ہوئی وہ دور بھی آیا جب دردِ دل اور سوز جگر سے سینہ پھنکنے لگا۔

آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاق طبع لذت سوزِ جگر کی ہے

شاعری میں کسی کو استاد نہ بنایا مگر استاذ الشعراء کا فکری قبلہ درست کرتے رہے۔

جبیں طبع نا آسودہ داغ شاگردی سے
غبار منت اصلاح سے دامن دور

حضرت رضا بریلوی نے محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رسوا نہ کیا۔ شاعری کو پیشہ نہ بنایا، عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سینے سے لگائے رکھا۔

ہے بلبل رنگیں رضا یا طوطیٔ نغمہ سرا
حق یہ کہ واصف ہے تیرا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

چند متفرق علمی شہ پارے

آج کل مارکیٹ میں بہت ساری کتابیں موجود ہیں جو بزرگوں، دانش وروں کے اقوال زریں کا مجموعہ ہیں۔ اگر اعلیٰ حضرت کی کتابوں کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اتنی باتیں مشاہدے میں آئیں گی کی ضخیم وعظیم کتاب تیار ہوجائے، ہم یہاں پر صرف دو چار باتیں وہ نقل کرتے ہیں جو خالص علم اور مقتضیات علم، ضروریات علم، لوازمات علم اور فوائد وفیوضات علم پر مشتمل ہیں۔ یہ چند باتیں جواہر غالیہ بھی ہیں اقوال نافعہ بھی اور دین ودنیا میں کام آنے والے مسائل شرعیہ بھی۔

کون سا علم فرض ہے

حدیث پاک طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة، علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے کے متعلق اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ اس میں علم سے مراد کون سا علم ہے ہر علم مراد ہے یا کوئی خاص؟ اعلیٰ حضرت اس کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں: ''حدیث طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم ومسلمة کے بوجہ کثرت طرق ومخارج حدیث حسن ہے۔ اس کا صریح مفاد ہر مسلمان مرد وعورت پر طلب علم کی فرضیت تو یہ صادق نہ آئے گی مگر اس علم پر جس کا تعلم فرض عین ہو اور فرض عین نہیں مگر ان علوم کا سیکھنا جس کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو، ان کا اعم واشمل واعلیٰ واکمل واہم واجل علم اصول عقائد ہے جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان سنی المذہب ہوتا ہے اور انکار ومخالفت سے کافر یا بدعقیدہ ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

سب میں پہلا فرض آدمی پر اس کا تعلم ہے اور اس کی طرف احتیاج میں سب یکساں پھر علم مسائل نماز۔ یعنی اس کے فرائض وشرائط ومفسدات، جن کے جاننے

سے نماز صحیح طور پر ادا کرسکے۔ پھر جب رمضان آئے تو مسائل صوم، مالک نصاب نامی ہو تو مسائل زکوٰۃ، صاحب استطاعت ہو تو مسائل حج، نکاح کرنا چاہے تو اس کے متعلق ضروری مسئلے، تاجر ہو تو مسائل بیع وشراء، مزارع ہو تو مسائل زراعت، موجر ومستاجر پر مسائل اجارہ وعلیٰ ہذا القیاس ہر شخص پر اس کی حالت موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرض عین ہے اور انہیں میں سے مسائل حلال وحرام۔ کہ ہر فرد بشر اس کا محتاج ہے۔ اور مسائل علم قلب یعنی فرائض قلبیہ مثل تواضع واخلاص وتوکل، وغیرہا۔ اوران کے طرق تحصیل اور محرمات باطنیہ تکبر وریا، وعجب وحسد وغیرہا۔ اوران کے معالجات کہ ان کا تعلم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض سے ہے۔ جس طرح بے نماز فاسق وفاجر اور مرتکب کبائر ہے۔ یوں بعینہٖ ریا سے نماز پڑھنے والا انہیں مصیبتوں میں گرفتار ہے۔ تو صرف یہی علوم حدیث میں مراد ہیں وبس۔''

(فتاویٰ رضویہ جلد دہم، ص۱۶)

انگریزی پڑھنا کیسا ہے

انگریزی تعلیم کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''ذی علم مسلمان اگر بہ نیت رد نصاریٰ انگریزی پڑھے اجر پائے گا اور دنیا کے لیے صرف زبان سیکھے، یا حساب، اقلیدس، جغرافیہ، جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں، بشرطیکہ ہمہ تن اس میں مصروف ہوکر اپنے دین وعلم سے غافل نہ ہو جائے۔ ورنہ جو چیز اپنا دین وعلم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے۔ اس طرح وہ کتابیں جن میں نصاریٰ کے عقائد باطلہ مثل انکار وجود آسمان وغیرہ درج ہیں ان کا پڑھنا بھی روا نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دہم، ص۹۹)

استاذ کا حق

استاذ کا حق شاگرد پر اور عالم کا حق جاہل پر کس قدر ہے۔ ایک سوال پر اعلیٰ

حضرت نے فرمایا ”عالم کا حق جاہل پر اور استاذ کا حق شاگرد پر یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے پہلے بات نہ کرے اور اس کے بیٹھنے کی جگہ اس کے غیبت (غائبانہ) میں بھی نہ بیٹھے۔ اور چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنے استاذ کے حقوق واجب کا لحاظ رکھے۔ اپنے مال میں کسی چیز سے اس کے ساتھ بخل نہ کرے۔ یعنی جو کچھ اسے درکار ہو بخوشی خاطر حاضر کرے۔ اور اس کے قبول کر لینے پر اس کا احسان اور اپنی سعادت جانے۔ یعنی استاذ کے حق کو اپنے ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حق سے مقدم رکھے۔ اور جس نے اسے اچھا علم سکھایا۔ اگر چہ ایک ہی حرف پڑھایا ہو۔ اس کے لیے تواضع کرے اور لائق نہیں کہ کسی وقت اس کی مدد سے باز رہے۔ اپنے استاذ پر کسی کو ترجیح نہ دے۔ اگر ایسا کرے گا تو اس نے اسلام کے رشتوں سے ایک رسی کھول دی۔ استاذ کی تعظیم سے ہے کہ وہ اندر ہو اور یہ حاضر ہوا تو اس کے دروازے پر ہاتھ نہ مارے۔ بلکہ اس کے باہر آنے کا انتظار کرے۔ قال تعالیٰ ان الذین یُنادونك من وراء الحجرات اکثر ھم لا یعقلون ولوانھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیر الیھم واللہ غفور رحیم۔ وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے، یہاں تک کہ تم آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استاذ علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور پر نور سید عالم ﷺ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دہم، ص ۶۷، ۶۸)

وہابیوں سے بچوں کو پڑھوانا

وہابیوں سے اپنے بچوں کو تعلیم دلوانا کیسا ہے؟ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ”وہابیوں کے پاس اپنے لڑکوں کو پڑھانا حرام حرام حرام اور جو ایسا کرے بدخواہ

اطفال وبتلائے آثام (گناہ) قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا۔ اے ایمان والو اپنے اور اپنے بچوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ (ایضاً ص ۲۰۷)

حافظ اور عالم کی فضیلت

لوگ آج کل علوم دینیہ سے اپنی غفلت ولا پرواہی کا ثبوت اس طرح دے رہے ہیں کہ بچے نے ابھی ٹھکانے سے ہوش بھی نہیں سنبھالا کہ اسے خالص انگریزی اسکول میں داخل کرا دیا جاتا ہے جہاں اس کو اسلام بیزاری، نصاریٰ دوستی اور کفر کی تعلیم دی دی جاتی ہے۔ اور دینی تعلیم جو کہ حاصل کرنا فرض ہے جیسا کہ گذر چکا اس کی طرف لوگ توجہ ہی نہیں دیتے۔ حالانکہ علم دین حاصل کرنا فرض ہونے کے علاوہ حافظ وعالم کی کیا فضیلت ہے وہ اعلیٰ حضرت کی مبارک زبان سے سنیئے۔ آپ سے سوال ہوا کہ حضور حافظ کتنوں کی شفاعت کرے گا؟ سنا گیا ہے کہ اپنے اعزہ سے دس شخصوں کی؟ آپ نے جواب مرحمت فرمایا ”ہاں اور اس کے ماں، باپ کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا جس سے مشرق سے مغرب تک روشن ہو جائے اور شہید پچاس شخصوں کی، حاجی ستر کی اور علما بے گنتی لوگوں کی شفاعت کریں گے، کوئی کہے گا میں نے وضو کے لیے پانی دیا تھا۔ کوئی کہے گا میں فلاں کام کر دیا تھا۔ لوگوں کا حساب ہوتا جائے گا اور وہ جنت کو بھیجے جائیں گے۔ علما کا حساب کب کا ہو چکا ہوگا اور وہ روکے جائیں گے عرض کریں گے الٰہی لوگ جا رہے ہیں ہم کیوں روکے گئے ہیں۔ فرمایا جائے گا۔ تم آج میرے نزدیک فرشتوں کی مانند ہو، شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت سے لوگ بخشے جائیں گے۔ ہر عالم سے فرمائے گا اپنے شاگردوں کی شفاعت کر، اگر چہ آسماں کے ستاروں کے برابر ہوں۔ (الملفوظ، اول ۴۷، ۴۸)

☆☆☆

عالم کی زیارت عبادت ہے

ایک بار کسی نے سوال کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ عالم کی زیارت ثواب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

”ہاں! صحیح حدیث میں وارد ہے :النظر الی وجه العالم عبادة، النظر الی الکعبة عبادة النظر الی المصحف عبادة، عالم کی زیارت کرنا عبادت ہے، کعبہ معظّمہ کی زیارت کرنا عبادت ہے، قرآن مجید کی زیارت کرنا عبادت ہے(ایضا، ۲۸۷)

علما اپنا مقام سمجھیں

فتاویٰ رضویہ میں ایک موقع پر علما کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے علما کو ان کا مقام اور مقام کا احترام یاد دلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”علما کو چاہیے کہ اگر چہ خود نیت صحیحہ رکھتے ہوں، عوام کے سامنے ایسے افعال، جن سے ان کا خیال پریشان ہو نہ کریں کہ ان میں دو فتنے ہیں، جو معتقد نہیں انکا معترض ہونا، غیبت کی بلا میں پڑنا، عالم کے فیض سے محروم رہنا اور جو معتقد ہیں ان کا اس کے افعال کو دستاویز بنا کر بے علم نیت خود مرتکب ہونا، عالم فرقہ ملامیتہ سے نہیں کہ عوام کو نفرت دلانے میں اس کا فائدہ ہو، مسند ہدایت پر ہے عوام کو اپنی طرف رغبت دلانے میں ان کا نفع ہے۔ اگر ایسے افعال کی حاجت ہو تو اعلان کے ساتھ اپنی نیت اور مسئلہ شریعت عوام کو بتادے(فتاویٰ رضویہ جلد سوم، ص ۵۹۶)

عوام کے لیے علما روشن شمع ہیں

یہ علما ہی ہیں جن سے عوام کے کشت زار فکر و عمل کو اسلامی آب حیات میسر ہوتا

ہے ان کی قربت و صحبت عوام کے لیے کتنی ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت سمجھاتے ہیں۔

”یہ بھی یاد رکھنا فرض ہے کہ جو حقیقت عالم دین، ہادی خلق، سنی صحیح العقیدہ ہو عوام کو اس پر اعتراض، اس کے افعال میں نکتہ چینی اس کی عیب بینی حرام حرام حرام۔ اور باعث سخت محرومی اور بد نصیبی ہے۔ جاہل کو سنی عالم پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں عالم بے عمل کی مثال شمع سے دی ہے کہ آپ جلے اور تمہیں روشنی پہنچائے احمق وہ جو اس کے جلنے کے باعث اسے بجھانا چاہتا ہے۔ اس سے یہ خود ہی اندھیرے میں رہ جائے گا۔(ملخصا، ص ۵۹۵)

جماعت اہل سنت کے لیے ترقیاتی منصوبے

آج ہمارے مدارس، علمائے کرام اور مدارس کے طلباء اخبارات ورسائل کا دلچسپ موضوع بنے ہوئے، کوئی ترقیات کا رشتہ مدارس سے جوڑنے کے لیے مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی بات کر رہا ہے، کوئی مدارس کی نتیجہ خیزی پر اظہار افسوس کر رہا ہے تو کوئی طلبا کی اپنے مستقبل سے مایوسی اور علما کی معاشی ابتری کا رونا رو رہے۔ حقیقت میں لوگوں کے منہ میں زبان ہم نے دی ہے، کچھ ایسے زمینی شواہد بھی ہیں جن سے فرار وانکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آج اساتذہ طلبا کے لیے درس عبرت بنے ہوئے ہیں۔ ان کی پیشانی کی غم آگئیں لکیروں سے وہ اپنے مستقبل کے خطوط متعین کر رہے ہیں۔ اس سے کسے مفر ہے کہ مہنگائی ہے جو دن بہ دن بڑھتی جا رہی اور علما کی تنخواہ کی سوئی ہے جو لکیر کی فقیر بنی ہوئی ہے۔ زمانے کے نشیب فراز، سرد گرم حالات اور انقلابات روزگار کا اس پر کوئی اثر نہیں ہے۔ زندگی کی لوح پیشانی پر یہ بات نقش کر لینی چاہیے کہ اساتذہ کے وجود کو خوشی آشنا کیے بغیر کسی ادارے میں حقیقی خوشی نہیں آسکتی۔ تعلیم کی ترقی، طلبا کے اطمینان اور ادارے کے عروج کا راز صرف اساتذہ کے بشاشت قلبی میں پنہاں ہے۔ آج ہم مسلک اعلیٰ

حضرت کا بلند بانگ نعرہ ضرور لگاتے ہیں مگر ان سارے حالات ومعاملات کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت نے کیا کیا خوان نعمت سجا رکھے ہیں کبھی غور نہیں کرتے۔ رحمت کے ہزاروں پھول برسیں ہمارے امام کی تربت اطہر پر جنہوں نے ہمارے ہر دکھ پر نظر رکھی اور دکھ کے مداوا کی کی تجویز پیش کی۔ فروغ اہل سنت کے لیے امام اہل سنت کے دس نکاتی پروگرام کتاب اخیر میں خوب چھپ رہے ہیں۔ مگر کاش ہم اس کی معنویت اور مقصدیت پر غور کرتے اور روبعمل لانے کی کوشش کرتے تو مدرسہ سے لے کر اساتذہ تک اور اساتذہ سے لے کر طلبا تک اور طلبا سے لے کر عروج قوم وملت تک ہر گوشہ ہرا بھرا ہو گیا ہوتا۔ پیش ہے وہ دس نکاتی علمی ترقیاتی پروگرام۔

(۱) عظیم الشان مدارس کھولے جائیں باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

(۲) طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔

(۳) مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں۔

(۴) طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے، معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔

(۵) ان میں جو تیار ہوتے جائیں، تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً وتقریراً وعظاً ومناظرۃً اشاعت دین ومذہب کریں۔

(۶) حمایت مذہب ورد بدمذہبان میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

(۷) تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں۔

(۸) شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں۔ جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر، یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں۔ آپ سرکوبی اعدا کے لیے اپنی فوجیں،

میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔

(۹) جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

(۱۰) آپ کے مذہبی اخبارات شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں قیمت وبلا قیمت، روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

حدیث میں ارشاد ہے کہ ''آخر زمانے میں دین کا کام بھی درم ودینار سے چلے گا اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲، ص ۱۳۳)

پیش کردہ نکات رضا پر بھر پور تبصرہ کرنے اور اس کی معنویت وافادیت کو شرح وبسط سے اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ ان سب نکات پر اگر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے تو بات پھیل جائے گی۔ اس لیے یہاں پر ہم صرف تین نکتے پر گفتگو کرنے اور روشنی کشید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اپنے پہلے نکتے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ ''عظیم الشان مدارس کھولے جائیں اور باقاعدہ تعلیمیں ہوں'' اس تعلیمی معیار پر ہمارے موجودہ مدارس میں صرف ۸، ۱۰ مدارس ہی پورے اتر پائیں گے۔ چوں کہ اعلیٰ حضرت نے صرف مدرسہ کھولنے کی بات نہیں کی ہے بلکہ عظیم الشان مدرسے کی نشان دہی کی ہے۔ مدرسہ کب عظیم ہوتا ہے جب اس کا داخلی وخارجی نظم ونسق عظیم ہو۔ منتظمین کے مقاصد عظیم ہوں۔ نصاب تعلیم عظیم ہو، تعلیم وتربیت کا زاویہ عظیم ہو، اساتذہ عظیم ہوں، طعام وقیام کا اہتمام عظیم ہو، اتنی عظمتیں جب ایک جگہ جمع ہوتی ہیں تب مدرسہ عظیم سے عظیم الشان بنتا ہے اور اگلا ٹکڑا ہے باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔ اور یہ باقاعدہ کسی اور کا نہیں ہے اعلیٰ حضرت کا باقاعدہ ہے اس کی معنوی وسعت کی شان اور ہے۔

ہم عرض کریں باقاعدہ تعلیم کے لیے ماہر فن اساتذہ کی تقرری ضروری ہے۔
باقاعدہ تعلیم کے لیے طلبا کے فکر ونظر کا استحکام ضروری ہے۔ باقاعدہ تعلیم کے لیے
شعبہ جات کی درجہ بندی ضروری ہے اور ہر درجہ کی باقاعدگی کے لیے مدرس کی بحالی
ضروری ہے اور مدرس جم کر رہیں اس کے لیے ان کے اطمینانِ قلبی کا سامان ضروری
ہے۔ اساتذہ کے بار بار آمدن ورفتن کا براہ راست اثر طلبا کے شیشۂ دل پر پڑتا ہے۔
آج کے طلبا نوشتۂ دیوار پڑھتے ہیں۔ اس لیے اندرونی ماحول اتنا سازگار اور
خوشگوار ہونا چاہیے کہ اساتذہ سے لے کر طلبا تک سب مطمئن ومسرور ہوں تب جا کر
مدرسہ عظیم الشان ہوگا۔ تعلیم باقاعدہ ہوں گی اور نتیجہ باضابطہ نکلے گا۔

اپنے دوسرے نکتے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ''طلباء کو وظائف ملیں کہ
خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔ آج سے برسوں سے پہلے طلباء کو مدارس کی طرف مائل
کرنے کے لیے اعلیٰ حضرت نے وظائف کی تجویز پیش کی ہے لگتا ہے ہمارے
زمانے کے مدارس کی زبوں حالی وہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ دینی تعلیم سے طلباء
کی جو بے رغبتی آج دیکھی جارہی ہے اس تناظر میں مدارس کی سلامتی اور بقا کے
لیے اس تجویز پر عمل اب ضروری ہوگیا ہے، بہت سے مدارس میں جہاں سو سے
زیادہ طلباء کے رہنے سہنے کا باضابطہ نظم ہے۔ شاندار رہائش گاہیں ہیں ہر طرح کی
سہولت ہے مگر طلباء کتنے ہیں ۲۵ یا ۳۰ یا زیادہ سے زیادہ ۴۰ یا ۵۰ وہ بھی شعبان
آتے آتے پت جھڑ کی طرح جھڑ جاتے ہیں، سارے کمرے خالی ہوجاتے اور غیر
مرئی مخلوقات کا بسیرا بن جاتے ہیں۔ کہیں کہیں تو اراکین نے انتظار بسیار سے مجبور
ہوکر مدرسہ کو انگلش میڈیم اسکول کی شکل دے دی ہے۔ کچھ زیر غور ہیں اور کچھ
حالت نزع میں ہیں۔ ہاں اب کہیں کہیں خاص طور پر ریاست کرناٹک میں دیدہ ور
منتظمین نے نظر بحال زمانہ رضوی نکات پر عمل شروع کردیا ہے، اعدادیہ سے
فضیلت تک درجات کی پستی وبلندی کا خیال رکھ کر وظائف شروع کردیئے ہیں،

آج مدارس کی بقا دین کے درمندوں کے لیے بہت بڑا چیلنج بن کر رہ گیا ہے۔ ایسے
ہی پیچیدہ حالات کے لیے اعلیٰ حضرت نے جو تدبیری شمع فروزاں کردی ہیں اب
وقت آگیا ہے کہ سنجیدگی سے اس پر عمل کیا جائے۔ طلباء کو وظیفہ دے کر مدارس کو آباد
رکھا جائے۔ ورنہ ویرانی قریب کھڑی موقع کی تاک میں ہے۔

اپنے تیسرے نکتے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ''مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں
ان کی کارروائیوں پر دی جائیں۔'' کسے خبر تھی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ علم روزی
روزگار سے جڑ جائے گا مگر یہ مردمومن کی نگاہ تھی جو اللہ کے نور سے مستقبل کے
چہرے کو صاف دیکھ رہی تھی، آج ملحق مدارس کو چھوڑ دیجئے تو پرائیویٹ مدارس میں
تنخواہ الجھن کا سبب بنی ہوئی ہے کم یابی کی وجہ سے اساتذہ کے علمی چہرے
سے اندرونی اضطراب جھانکتا نظر آتا ہے۔ مجبور ہوکر اور زیادہ کی خواہش میں مسند
درس وتدریس سے بے پرواہ ہوکر وہ منصب امامت کو ترجیح دے رہے ہیں یا پھر
حصول معاش کا دوسرا متبادل راستہ تلاش کیا جارہا ہے۔ اگر متبادل بھی سکون بخش نہ
ہو تو پھر راستہ ہی بدل دیا جاتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے اہل کی جگہ جب خالی ہوگی
اور نا اہل، اہل نما بن کر بھرتے چلے جائیں گے تو انجام کتنا مایوس کن اور ناگفتہ بہ
ہوگا۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت نے بیش قرار تنخواہ کی پیش کش کی ہے آج کے دور میں
اعلیٰ حضرت کے اس فرمان پر عمل کرنا کوئی مشکل نہیں ہے صرف دلوں میں ولولہ
اخلاص اور جذبہ ہمدردی کی ضرورت ہے، وہ پہلے کے مدارس تھے جو بڑے کشمکش
کے دور سے گذرتے تھے اب تو عموماً مدارس خوشحال ہیں، صرف منتظمین کے اذہان
وقلوب خوش حال نہیں ہیں، صاحب بست وکشاد حضرات پس اندازی، ذخیرہ
اندوزی کی فکر میں ہیں، اسی لئے نہ اچھے مدرس ملتے ہیں نہ اچھے طلباء بچوں کے
کھانے اور مدرسین کی تنخواہ میں کٹوتی کرکے پیسہ بینک میں جمع کرنے والے لوگ
نہیں سوچتے کہ آخرت کی کتنی بڑی جوابدہی وہ اپنے سرلے رہیں، کبھی کبھی تو ان جمع

شدہ رقم کے لیے آپس میں وہ دھینگا مشتی ہوتی ہے کہ پوری قوم غیروں کے سامنے شرمندہ ہوجاتی ہے یہ ان خالص دینی اداروں میں ہو رہا ہے جہاں قال اللہ وقال الرسول کے دلنواز نغموں سے فضائیں گونجتی ہیں، اعلیٰ حضرت کے فرمان کا مطلب یہی ہے کہ طلباء کو اچھا کھلاؤ، اساتذہ کو بیش قرار تنخواہ دو، دینی ادارے کے دینی تقاضوں کا خیال رکھو، اور پھر اساتذہ کی بھی حوصلہ افزائی کی ہے کہ آپ اپنی ذمہ داری سے انصاف ورواداری بنائے رکھیں آپ بیش قرار تنخواہ کے مستحق ہوں گے ،آپ اپنی کارروائی پر کوتاہی کا سایہ نہ پڑنے دیں آپ ہی اس کے حق دار ہوں گے مگر جب اعلیٰ کارکردگی بھی عمومی نظر سے دیکھی جاتی ہے تو شیشۂ دل پاش پاش ہونا ایک فطری امر ہے۔ مدرس مدارس کے جسم کی جان ہوتے ہیں اور ایک صاحب علم ولیاقت معاشرے کی کلید اور روح رواں ہوتا ہے۔ جماعت اہل سنت کے لوگ اُس کی تنزلی کی بات تو کرتے ہیں مگر ان نکتوں پر خصوصی غور وخوض کی زحمت نہیں کرتے کہ جماعت کی ترقی کے اسباب وعوامل کیا کیا ہیں؟ کاش مسلک اعلیٰ حضرت کا دم بھرنے والے اس نسبت سے بھی نکات اعلیٰ حضرت پر ٹھنڈے دل سے سوچتے اور عمل کرتے تو ضرور ترقی قدم چومتی۔ عروج بلائیں لیتا۔ اور فلاح دارین پوری ملت کا سائبان بن جاتا۔ مدرسین کے چہرے اور طلبا کی پیشانی پر مسرت کی چمک ہوتی تو مدرسے کے درودیوار مسکراتے۔

لب لباب

یہ ہلکی سی علمی سرگذشت اس عالم ربانی کی ہے۔ اپنے زمانے میں جو تمام آفاقی معاصرین میں ممتاز تو تھے ہی، دانشوروں کے کامل تنقیح وتجزیہ نے بعد یہ صداقت بردوش فیصلہ دیا ہے کہ پچھلے دوسوسال کے اندر بھی ان کا کوئی ہمسر وثانی نہیں ہے۔ اس لیے امام احمد رضا کو امام احمد رضا کی کتابوں میں پڑھئے اور ضرور پڑھئے، ان کو

جو جتنا زیادہ پڑھتا ہے علم بڑھتا ہے فکر مضبوط ہوتی اور آہستہ آہستہ رسول پاک ﷺ کی سچی محبت دولوں میں جاگزیں ہوجاتی ہے، وہی محبت جو حاصل حیات بھی اور حاصل کائنات بھی، وہی محبت جو جان ایمان بھی ہے اور جان اعمال بھی، انہیں جب آپ پڑھیں گے تو خود پکار اٹھیں گے۔ احمد رضا جہاں علم ہیں بحر فنوں ہیں، کائنات شعور وادراک ہیں، آسمان فکر وآگہی ہیں، کس کی مجال ہے کہ ان کے ۵۴ سالہ دور خدمات کے علمی جلوؤں کا کماحقہ نظارہ کر سکے۔ جب ان کی قلمی قربت میں آپ بیٹھیں گے تو آپ ہوں گے اور وہی ایک جلوہ ہزار ہے کا سماں ہوگا اور اس پر مستزاد ہر جلوہ شاہکار جلوہ نظر آئے گا۔ ان کا ہر رخ روشن ہے ہر جہت متصف بہمہ صفت ہے، کسی بھی شخصیت کے علمی تعارف کے لیے دو چار کتابوں کا تذکرہ کافی ہوتا ہے ہم نے ان کے علمی ضیا بار تاروں سے آسمان مضمون سجانے کی کوشش کی ہے۔ کیوں کی ہے تا کہ آپ شنید سے دید کی منزل میں آجائیں۔ اپنے مشاہدے کی بات ہی کچھ اور ہے، ایک مسلمان کے لیے بزم کونین کا سب سے قیمتی ہیرا ''ایمان'' ہے۔

اس گلشن ہست وبود کا کوہ نور ایمان کے بعد اس کا عمل ہے۔ دیکھئے کہ آپ کے ایمان وعمل کے قیمتی ہیرے اور کوہ نور کو نظر بد سے بچانے کے لیے انہوں نے کیا کیا جتن کیا ہے۔ کیسے کیسے علم وفنون کا سہارا لیا ہے اور کیسے کیسے علمی کہکشاں کی بارات اتاری ہے، آپ کو احساس ہوگا ان کی بات ماننی چاہیے، لوگوں نے حسد میں بدگمانی کے تیر اور بیزارگی کے خنجر سے فکر سلیم کو گھائل کرنا چاہا ہے، مگر آپ جب ان کے قریب ہوں گے تو خود ہی پکار اٹھیں گے کہ ارے یہاں تو اخلاق کی چاندنی ہے۔ بوئے وفا ہے، ایثار کا جذبہ ہے، صداقت کی پکار ہے، حقانیت کی للکار ہے، محبت کا نغمہ ہے، اپنائیت کی پھوار ہے، فدائیت کا آبشار ہے، آدمیت کا جوہر ہے، انسانیت کا زیور ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ تو سچا عاشق مصطفےٰ ہے۔ ان کی سانسوں میں

عشق مصطفیٰ ،ان کی حرکت وعمل میں عشق مصطفیٰ ،ان کی جلوت وخلوت میں عشق
مصطفیٰ ان کی خاموشی و گویائی میں عشق مصطفیٰ ،ان کی تحریر میں عشق مصطفیٰ ،تحریر کے
ہر جملے میں عشق مصطفیٰ ،ان کی تقریر میں عشق مصطفیٰ ،تقریر کی بات بات میں عشق
مصطفیٰ ،ان کی صفات میں عشق مصطفیٰ ،ان کی ذات میں عشق مصطفیٰ ، یہاں تو بس
عشق مصطفیٰ کی سوغات ہے، عشق مصطفیٰ کی برسات ہے، اور جب ایسا ہے اور واقعی
ایسا ہی ہے تو پھر ایسی ہمہ جہت ، ہمہ گیر ، ہمہ صفت شخصیت سے قربت پیدا کرنی
چاہیے۔ان کے علم سے قربت ان کی قربت ہے۔ان کے مشن سے قربت ان کی
قربت ہے اوران کے مسلک سے قربت ان کی قربت ہے۔

چوں کہ بڑی تیزی کے ساتھ عقائد ومعمولات کے منظر کا تیور بدل رہا
ہے۔دوسروں کی تو بات چھوڑیے اپنا ایمان وعمل بچانا مشکل ہو رہا ہے۔صلح کلیت
کی زہرناکی سے پوری فضا مسموم ہو رہی ہے۔آزاد خیالی کی آندھی میں اچھے اچھے
قلعے آج متزلزل ہو رہے ہیں۔لوگ چودہ سو برس سے ورثے میں ملی سختی اور پابندی
چھوڑ کر نرمی اور آزادی کی طرف سرپٹ دوڑ رہے ہیں۔صوفیت کے لبادے میں
مذہب اہل سنت پر شب خون مارنے کی غیر شائستہ حرکت ہو رہی ہے۔ایسے میں ایسی
ویسی شخصیت نہیں بارگاہ رسول میں مقبول شخصیت کی قربت کی ضرورت ہے۔جس
کے سر پر نیابت غوثیت کا تاج زریں ہو ایسی شخصیت کی قربت کی ضرورت ہے اور
جسے تمام اولیائے کرام وصوفیائے عظام کی پشت پناہی حاصل ہو، ایسی شخصیت کی
قربت کی ضرورت ہے۔

پوری چودھویں صدی کی مذہبی سیاسی تاریخ ایک بار نہیں بار بار الٹ پلٹ کر
دیکھ لیجئے ایسی شخصیت اگر کوئی ہے تو صرف امام احمد رضا کی ہے۔یہاں ظاہر وباطن
میں کوئی دوئی نہیں ہے۔اپنے اور بیگانے کا کوئی فرق نہیں ہے۔زبان ودل میں
کوئی اختلاف نہیں ہے۔حالات کی سنگینی سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہے۔بس قرآن

وحدیث کے فرمودات وارشادات کے تحفظ کا خیال ہے۔ائمہ کرام کے مبارک
نظریات کی گرما گرمی ہے۔چودہ سو برس پرانی اسلامی تاریخ کے تسلسل کی فکر پیہم
ہے۔شریعت مطہرہ کے کسی مسئلہ کا چہرہ غبار آلود نہ ہو اس کی لگن ہے۔اور کوئی مسلمان
بحیثیت مسلمان عقیدے میں ناقص اور عمل میں کمزور نہ ہو۔ ۲۴ گھنٹے میں ۲۲ گھنٹہ
یہی تڑپ ہے۔بایں وجہ امام احمد رضا کی ذات اس وقت ایمان وکفر، حق و باطل،
خوش عقیدگی وبد عقیدگی ،تذبذب وتصلب کے درمیان خط فاصل اور نشان امتیاز
ہے۔چوں کہ آپ علی الاطلاق اللہ کی نشانیوں میں ایک نشانی۔حضور کے معجزوں میں
ایک معجزہ اور غوث وخواجہ کی کرامتوں میں ایک کرامت ہیں۔اس لیے بازار مصطفیٰ
میں اسی ایمان وعمل کے سونے کی پوچھ تاچھ اور قدر وقیمت ہوگی جو امام احمد رضا کے
ٹکسال میں ڈھلا ہو، ہمارے اس دعوے کی روشن دلیل یہ ہے کہ اب ہم تو کیا سب
دیکھ رہے ہیں کہ اسی آدمی کا دین وایمان سلامت رہتا ہے جس کے دل میں امام احمد
رضا کی محبت سلامت رہتی ہے۔ان سے معمولی سی دوری بھی آدمی کو پہلے بدعات
ومنکرات، غیر شرعی عمل وحرکات میں مبتلا کر دیتی ہے۔پھر وہ آہستہ آہستہ وہ گمراہی وبد
مذہبی کے میں پھنستا چلا جاتا ہے۔

بس اتنا سمجھ لیجئے افتخار ملت کا نام امام احمد رضا ہے۔وقار امت کا نام امام احمد
رضا ہے، فکر وتخیل کے جبل شامخ کا نام امام احمد رضا ہے، حق وصداقت کی آفاقی
دعوت کا نام امام احمد رصا ہے، جس کی عظمت کا اعتراف سب کو ہو اس عالمی مسلم
شخصیت کا نام امام احمد رضا ہے، جس کو صرف سراہا نہیں بلکہ اس کے افکار کو برتا
جائے اس برتی جانے والی شخصیت کا نام امام احمد رضا ہے، جس کی قربت سے
اولیائے کرام کی قربت نصیب ہو اس شخصیت کا نام امام احمد رضا ہے، جس کی صحبت
سے مصطفیٰ جان رحمت کی ﷺ کی صحبت کی لذات حاصل ہوں اس شخصیت کا نام
امام احمد رضا ہے، جن کے علم وعمل کو اپنا کر آدمی محبوب خدا ہو جائے اس شخصیت کا نام

امام احمد رضا ہے۔ خلاصہ یہ کہ آج کے دور میں صراط مستقیم کا نام امام احمد رضا ہے۔

ہاں یہ بھی غور کرنے کی چیز ہے کہ اتنے بڑے امام، ہر علم وفن کے شاہ، امام احمد رضا کے ماننے والے آج علم سے کتنی رغبت رکھتے ہیں؟ پچھلے اوراق میں آپ نے دیکھا کہ امام اہل سنت کے علم کا کوئی جواب پوری دنیا میں نہیں ہے، وہ ایسے ممتاز اور منفرد صاحب علم ہیں کہ ان کے غیروں نے بھی ان کا علمی تفوق تسلیم کیا ہے۔ آج کون ہے جو اُن کے بحر کتب کا جرعہ نوش نہیں ہے، مگر مایوسی اس وقت ہوتی ہے جب ہم ان کے ماننے والوں میں شوق علم وذوق مطالعہ کا فقدان دیکھتے ہیں۔ علم کے نہ ہونے ہی کی وجہ سے ان کے معتقدین بدعات وخرافات کا شکار ہوتے ہیں۔ تعجب ہے جس کے امام نے چن چن کر منکرات ومنہیات کی جڑ پر کلہاڑا چلایا ہو، آج ان کے متبعین ان لعنتوں کی دلدل میں گرفتار ہیں اور ہو رہے ہیں، یہ وقت کا بہت بڑا المیہ ہے۔ امام احمد رضا سے نسبت عقیدت کی توہین ہے۔

اس لیے عرض گذار ہوں کہ اپنے امام، امام علم وفن کی درد بھری ہدایات کے مطابق ضروری علم ضرور حاصل کیجئے، نئی اور نوجوان نسل کو نور علم سے منور کیجئے تاکہ آپ اور نسل نو جو مستقبل کے معمار ہیں کا دامن حیات داغ منکرات سے محفوظ رہے اور نسبت رضا کی بھی آبرو بچی رہے، یاد رکھئے اسی قوم کے سر پر سرداری کا تاج سجتا ہے جس کے ہاتھ میں علم کا جھنڈا ہوتا ہے، علم حاصل کیجیے اور دولت علم کی بنیاد پر دنیا سے اپنی قیادت تسلیم کروایئے۔ دیکھا نہیں کہ فرشتوں کی نوری جماعت پر حضرت آدم علیہ السلام کی برتری صرف علم کی بنیاد پر ہے۔ آپ بھول گئے کہ عالمی اسٹیج پر امام احمد رضا کی سربلندی فوقیت علم کی وجہ سے ہے۔ یہ علم ہی ہے جو ہزاروں نہیں لاکھوں کروڑوں میں انسان کو ممتاز اور منفرد کرتا ہے۔

امام احمد رضا کو ۳۰۵ علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ اس سمندر سے کچھ تو موتی چنئے۔ اس آسمان سے کچھ تو تارا توڑیئے، بڑھئے علم وہنر کا جھنڈا لے

کر، چھا جایئے حکمت ودانش کا ادراک لے کر۔ روشنی کے لیے ترستی دنیا کو چراغاں کر دیجئے بصیرت کا چراغ جلا کر۔

ہو علم تو پھر کیا نہیں قبضے میں تمہارے
تم چاہو تو صحرا کو بھی گلزار بنا دو

نوٹ: اعلیٰ حضرت کی علمی عظمت کا نقش دلوں میں بٹھانے کے لیے ان کے عملی کہکشاؤں کی سیر ضرور کیجئے۔ اس کے لیے اس کتاب کا دوسرا حصہ جو صرف عملی کاموں اور کارناموں کے لیے مخصوص ہے کا مطالعہ کیجئے۔ انشاء اللہ دوسرا حصہ ''امام اہل سنت شخصیت اور تجلیات عمل'' کے نام سے بہت جلد آ رہا ہے پھر ان دونوں کو ایک ساتھ ''امام علم وعمل'' کے نام سے شائع کیا جائے گا۔ دعا کیجئے جو سوچا ہے وہ جلد پورا ہو جائے۔ نگارستان تخیل میں جو نقوش محفوظ ہیں وہ چہرۂ قرطاس کا غازہ بن جائیں۔

●●●

کتابیات

۱	الدولۃ المکیہ	امام احمد رضا
۲	اعلام الاعلام	//
۳	فتاویٰ رضویہ، جلد سوم	//
۴	// جلد، چہارم	//
۵	// جلد ششم	//
۶	// جلد دہم	//
۷	// جلد دوازدہم	//
۸	حدائق بخشش	//
۹	الاجازات المتنیہ	//
۱۰	الکلمۃ الملہمہ	//
۱۱	امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ	ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری
۱۲	علم، عمل، عشق اور امام احمد رضا	//
۱۳	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	ڈاکٹر مسعود احمد مظہری
۱۴	حیات مولانا احمد رضا	//
۱۵	محدث بریلوی	//
۱۶	امام اہل سنت	//
۱۷	الملفوظ	حضور مفتئ اعظم ہند
۱۸	حیات اعلیٰ حضرت	ملک العلما مولانا سید ظفر الدین، بہاری
۱۹	اکرام امام احمد رضا	برہان ملت مولانا محمد برہان الحق

۲۰	امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات	مولانا یٰسین اختر مصباحی
۲۱	دبستان رضا	//
۲۲	عرفان مذہب ومسلک	//
۲۳	امام احمد رضا حقائق کے اجالے میں	مفتی محمد مطیع الرحمان پورنوی
۲۴	جہان ملک العلماء	باہتمام سراج ملت سید سراج اظہر رضوی
۲۵	امام احمد رضا جامع الحیثیات	ابوزہرہ رضوی
۲۶	جامع الاحادیث	مولانا محمد حنیف خاں رضوی
۲۷	فقیہ اسلام بحیثیت شاعر وادیب	ڈاکٹر مجید اللہ قادری
۲۸	کرنسی نوٹ کے مسائل امام احمد رضا ترجمہ وتفہیم	علامہ عبدالحکیم شرف قادری
۲۹	ایک الزام کی حقیقت	//
۳۰	حجب العوار عن مخدوم بہار	امام احمد رضا
۳۱	امام احمد رضا کی فقہی بصیرت	ڈاکٹر مسعود احمد مظہری
۳۲	نزول آیات فرقان	امام احمد رضا
۳۳	سوانح اعلیٰ حضرت	مولانا بدر الدین احمد
۳۴	فقیہ اسلام	ڈاکٹر حسن رضا خاں
۳۵	سیرت اعلیٰ حضرت مع کرامات	مولانا حسنین رضا خاں
۳۶	تجلیات امام احمد رضا	قاری امانت رسول، پیلی بھیت
۳۷	حیات شبلی	مولانا سید سلیمان ندوی
۳۸	امام احمد رضا عالم اسلام کے عظیم مفکر	مجلہ ہبلی کانفرنس
۳۹	فضائل قرآن	مولانا افتخار احمد اعظمی
۴۰	تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ	علامہ فضل حق خیرآبادی

۴۱	آئینہ صلح کلیت	مولانا انیس عالم سیوانی
۴۲	امام احمد رضا خاں ایک ہمہ جہت شخصیت	مولانا کوثر نیازی
۴۳	الحیات بعد الممات	مولوی فضل حسین بہاری
۴۴	سفرنامہ شیخ الہند	مولوی حسین احمد مدنی
۴۵	مکتوبات قاسم العلوم	مولانا قاسم نانوتوی
۴۶	امام احمد رضا اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین	مولانا اقبال احمد اختر القادری
۴۷	حیات صدر الافاضل	مولانا محمد عمر نعیمی
۴۸	نزہۃ الخواطر	ابوالحسن علی ندوی
۴۹	کلام رضا	اصغر حسین لدھیانوی
۵۰	اصول تحقیق و ترتیب متن	ڈاکٹر تنویر احمد علوی
۵۱	ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ	رشید حسن خاں
۵۲	تجزیے	ڈاکٹر گیان چند جین
۵۳	قاری دہلی کا امام احمد رضا نمبر	قاری محمد میاں مظہری
۵۴	پیغام رضا ممبئی کا امام احمد رضا نمبر	مولانا رحمت اللہ صدیقی
۵۵	معارف رضا، شمارہ ۱۹۹۸، ۱۹۹۱، ۱۹۹۹	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی
۵۶	ماہنامہ ندوہ ۱۹۱۳	لکھنؤ
۵۷	ماہنامہ سنی دعوت اسلامی، اپریل ۲۰۱۳	ممبئی
۵۸	ماہنامہ خضر راہ، اپریل ۲۰۱۳	الہ آباد
۵۹	ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا صد سالہ نمبر ۲۰۰۴	بریلی شریف

●●●

رضا فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)

ہیڈ آفس دہلی، برانچ آفس ردولی، ضلع سیتامڑھی، بہار

فروغ مسلک اعلیٰ حضرت کے سچے جذبے سے سرشار، فلاح قوم وملت کی منظم تحریک ان شاء اللہ الرحمان مستقبل قریب میں جس کے ذہنی منصوبے سینۂ زمین پر مینار وقار بن کر جگمگاتے نظر آئیں گے، آپ دیکھیں گے مدرسہ غریب نواز یتیم خانہ، آپ دیکھیں گے بنات اسلام کے لیے کاشانۂ نور وحکمت، اور آپ دیکھیں گے تنظیم تحفظ سنیت (ٹی، ٹی، ایس) کے نام سے رگوں میں عشق مصطفیٰ کا خون دوڑا دینے، دلوں میں علم وعمل کا ولولہ برپا کردینے والی انجمن، اور اس کے علاوہ، وہ سب کچھ جس کی ہمارے ماحول اور معاشرے کو ضرورت ہے، بس تھوڑا انتظار کیجیے، دعا کیجیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے عزائم کی تکمیل کا غیب سے سامان مہیا فرمائے اور ہمارے ارادے میں قوت، مقاصد میں اخلاص، اور اقدام میں استحکام عطا فرمائے۔

آپ کا مخلص

حافظ وقاری طارق رضا نجمی

ناظم نشر واشاعت، رضا فاؤنڈیشن، ردولی، سیتامڑھی، بہار

رابطہ نمبر: 9658334189-9778566223

شجرۂ قادریہ رضویہ

یا الٰہی رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے
یا رسول اللہ کرم کیجئے خدا کے واسطے
مشکلیں حل کر شہِ مشکل کشا کے واسطے
کربلائیں رد شہیدِ کربلا کے واسطے
سید سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ مجھے
علمِ حق دے باقرِ علمِ ہدیٰ کے واسطے
صدقِ صادق کا تصدق صادق الاسلام کر
بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے
بہرِ معروف وسری معروف دے بے خودسری
جندِ حق میں گن جنیدِ با صفا کے واسطے
بہرِ شبلی شیرِ حق دنیا کے کتوں سے بچا
ایک کا رکھ عبدِ واحد بے ریا کے واسطے
بوالفرح کا صدقہ کر غم کو فرح دے حسن وسعد
بوالحسن اور بوسعید سعد زا کے واسطے
قادری کر، قادری رکھ قادریوں میں اٹھا
قدرِ عبد القادر قدرت نما کے واسطے
اَحْسَنَ اللّٰہُ لَہٗ رِزْقاً سے دے رزقِ حسن
عبد رزّاق ابن غوث الاولیاء کے واسطے
نصر ابی صالح کا صدقہ صالح ومنصور رکھ
دے حیاتِ دیں محی جاں فزا کے واسطے

طورِ عرفان وعلو وحمد وحسنیٰ وبہا
دے علی، موسیٰ، حسن، احمد، بہا کے واسطے
بہرِ ابراہیم مجھ پر نارِ غم گلزار کر
بھیک دے داتا بھکاری بادشاہ کے واسطے
خانۂ دل کو ضیا دے روئے ایماں کو جمال
شہ ضیا مولیٰ جمالُ الاولیا کے واسطے
دے محمد کے لیے روزی کر احمد کے لیے
خوانِ فضل اللہ سے حصہ گدا کے واسطے
دین ودنیا کے مجھے برکات دے برکات سے
عشقِ حق دے عشقی عشق انتما کے واسطے
حبِ اہل بیت دے آلِ محمد کے لیے
کر شہید عشق حمزہ پیشوا کے واسطے
دل کو اچھا تن کو ستھرا جان کو پُر نور کر
اچھے پیارے شمس دیں بدر العلیٰ کے واسطے
نورِ جاں نورِ ایماں نور قبر وحشر دے
بوالحسین احمد نوری لقا کے واسطے
کر عطا احمد رضائے احمد مرسل مجھے
میرے مولیٰ حضرت احمد رضا کے واسطے
صدقہ ان اعیاں کا دے چھ عین عز، علم وعمل
عفو، عرفاں، عافیت اس بینوا کے واسطے

(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

لاکھوں سلام

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شہر یارِ اِرم تاجدارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

شبِ اسریٰ کے دولھا پہ دائم درود
نوشہِ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

عرش تافرش ہے جس کے زیرِ نگیں
اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

دُورونزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کاسہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی دم میں دَم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

وہ دہن جس کی ہربات وحیِ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

ہاتھ جس سَمت اُٹھا غنی کر دیا
موج بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام

نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں
انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا
اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

☆☆☆

ایمان وعقائد کو سنوارنے والی کتابیں

قرآن پاک ترجمہ کنزالایمان اردو (نیٹ)		230/=
قرآن پاک ترجمہ کنزالایمان ہندی (نیٹ)		170/=
قرآن پاک ترجمہ کنزالایمان ہندی آرٹ پیپر		250/=
قرآن پاک ترجمہ کنزالایمان انگریزی (نیٹ)		220/=
تفسیر روح البیان (مکمل ۱۵ رجلدوں میں)		7000/=
تفسیر نعیمی (۱۸ رجلدوں میں)		6000/=
تفسیر مظہر القرآن (مکمل ۳۰ پارے دوجلدوں میں)		1000/=
تفسیر الم نشرح (مکمل مجلد)		350/=
فتاویٰ حامدیہ (مکمل)		350/=
سعادۃ الدارین (مکمل ۲ رجلدوں میں)		550/=
الابریز۔اردو ترجمہ خزینۂ معارف		350/=
شافعی بہشتی زیور (مکمل دوجلدوں میں)		600/=
خلاصہ فقہ شافعی		120/=
خطباتِ ممبریہ	(خطبۂ جمعہ)	100/=
شافعی معلم الدین (دینی تعلیمی کورس اردو، ہندی)		60/=
مصباح المجالس	(اردو، ہندی)	225/=
زین المجالس	(اردو، ہندی)	350/=
فیضانِ اعلیٰ حضرت	(اردو، ہندی)	400/=
تذکرۃ الانبیاء (مکمل مجلد)	(اردو، ہندی)	300/=
تذکرۃ الاولیاء	(اردو، ہندی)	140/=
تذکرہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام		140/=
بزم اولیاء (ترجمہ روض الریاحین)		240/=
جان ہے عشق مصطفیٰ		300/=
انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ		200/=
فیضان شریعت		340/=
امام احمد رضا اور علم حدیث تین جلدوں میں		600/=

امام احمد رضا اور معارف تصوف		200/=
امام احمد رضا اور تعظیم نبی		180/=
علوم القرآن (ترجمہ حاشیۃ الدولۃ المکیہ)		200/=
امام اعظم ابوحنیفہ اعلیٰ حضرت کی نظر میں		100/=
شفا شریف (مکمل مجلد)		300/=
قصر عارفاں		200/=
الزہد (تقویٰ کی حقیقت اور احادیث رسول)		200/=
سچی حکایات (مکمل مجلد)	(اردو، ہندی)	240/=
عورتوں کی حکایات	(اردو، ہندی)	100/=
قانون شریعت (مکمل مجلد)	(اردو، ہندی)	160/=
انعام شریعت	(اردو)	140/=
گلستان شریعت	(اردو، ہندی)	100/=
نظام شریعت	(اردو، ہندی)	120/=
مکاشفۃ القلوب	(اردو، ہندی)	200/=
کشف المحجوب	(اردو، ہندی)	200/=
سبع سنابل شریف	(اردو، ہندی)	140/=
جاء الحق (مکمل مجلد)	(اردو، ہندی)	200/=
سیرت خواجہ غریب نواز	(اردو، ہندی)	180/=
سیرت غوث اعظم	(اردو، ہندی)	120/=
سیرت غوث پاک	(اردو، ہندی)	100/=
سیرت رسول اکرم		140/=
سیرت امام شافعی		100/=
زیارتِ قبور	(اردو، ہندی)	80/=
فضائل نماز قادری رضوی	(اردو، ہندی)	100/=
شان حبیب الرحمن	(اردو، ہندی)	100/=
فضائل اہل بیت (سفینۂ نوح)		100/=

امام پاک اور یزید پلید		120/=
حیاۃ الشہدا والموتیٰ		40/=
سوانح کربلا	(اردو، ہندی)	40/=
تاریخ کربلا	(اردو، ہندی)	140/=
کربلا کا مسافر	(اردو، ہندی)	100/=
داستانِ کربلا	(اردو، ہندی)	100/=
شام کربلا	(اردو، ہندی)	120/=
خاکِ کربلا	(اردو، ہندی)	100/=
مابعد کربلا	(اردو، ہندی)	80/=
تاریخ نجد وحجاز	(اردو، ہندی)	160/=
الملفوظ کامل	(اردو، ہندی)	140/=
منازل ولایت		150/=
امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات		150/=
امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں		100/=
اصلاح فکر واعتقاد		150/=
حدائق بخشش (کلاں مجلد)		120/=
النجوم شعری مجموعہ (بیکل اتساہی)		120/=
نعتیہ روایت کا عروج وارتقاء		100/=
افکار رضا		100/=
تجلیات مفتی اعظم ہند		100/=
گستاخِ رسول کی شرعی حیثیت		80/=
عقائد اہل سنت		130/=
سنی دیوبندی اختلاف کا مصنفانہ جائزہ		80/=
اذان خطبہ کہاں ہو		50/=
اسلام اور چاند کا سفر		60/=
تحقیقات مکمل		120/=

حیات تاج الشریعہ	(اردو، ہندی)	130/=
خون کے آنسو	(اردو، ہندی)	120/=
دیوبند کا نیا دین	(اردو، ہندی)	50/=
تذکرہ علی احمد صابر کلیری مجلد	(اردو، ہندی)	80/=
جماعت اسلامی کا شیش محل		60/=
دیوبند کی خانہ تلاشی		60/=
معمولات اہلسنّت		120/=
حصن حصین		100/=
شمع شبستانِ رضا		160/=
سنی بہشتی زیور	(اردو، ہندی)	150/=
جنتی زیور	(اردو، ہندی)	150/=
تہتر میں ایک (مجلد)	(اردو، ہندی)	80/=
اندھے نجدی دیکھ لے......	(اردو، ہندی)	60/=
انوارِ درود وسلام	(اردو، ہندی)	80/=
قرینۂ زندگی (مجلد)	(اردو، ہندی)	100/=
قرینۂ زندگی (ٹائٹل)	(اردو، ہندی)	90/=
کھانے پینے کی سنتیں	(اردو، ہندی)	120/=
شرح الصدور (قبر کے حالات)	(اردو، ہندی)	130/=
سنت خیر الانام		120/=
جذب القلوب		120/=
جان جاناں		100/=
پکارو یا رسول اللہ		120/=
بہار اسلام		80/=
امتیاز حق وباطل		100/=
تجلیات شرف		80/=
خصائص رسول		100/=